نتھ کی عزّت
واجدہ تبسّم

اس ناول کے تمام کردار، مقامات، واقعات اور ادارے فرضی ہیں۔
اور ان کا کسی شخص، جگہ واقعہ یا ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کسی فرد
مقام یا ادارے سے مطابقت قطعی اتفاقیہ ہے اور اس کے لئے مصنف
یا پبلشرز کسی طرح کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔

نتھ کی عزت

ایک طوائف کے محبت بھرے دل کا ناول

واجدہ تبسم

شمع بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

قیمت : تیس روپے (Rs.30/-)

شمع بک ڈپو ایڈیشن

پہلی بار   دو ہزار   اکتوبر ۱۹۸۳ء   لاہوتی فائن آرٹ پریس، دہلی

قصاص

"اللہ کا نام لو بی بی، کیوں ہاتھ پیر پھلائے دیتی ہو۔ کہہ تو دیا شام تک سارا پکوان پورا ہو جائے گا۔" نصیبن بی بھٹیارن نے لہسن چھیلتے میں ذرا اُلجھ کر جواب دیا۔

"لو! میں کب نہیں بولی کہ نہیں ہوئیں گا۔ پر یہ تمہارے سنگات کی چھوکریاں کو دیکھو ذرا۔ کچھ شِکراج نہیں۔ کیسے گھوم لے رئیں ـــــ" بڑی ماما بولی ـــــ پھول دار چھینٹ کے گھیر دار لہنگے پھڑکاتی بوا کے ساتھ کی ساری چھوکریاں اِدھر اُدھر لولائی لولائی سی پھر رہی تھیں ـــــ بوا نے اطمینان سے انہیں دیکھا اور بولیں :

"ماما بی، تم فکر نہ کرو ـــــ میں نے کہہ دیا نا وقت پر ہر کام پورا ہو جائے گا انشاءاللہ۔

یہ سب کام ہی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کر رہی ہیں۔"

"بریانی کے واسطے پیاز کٹ گئی؟"

"کٹ چکی۔"

"بورشاہی ٹکڑوں کے میوے تلے گئے؟"

"یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔"

"ہور رائتے کے بینگن کاٹ کر نمک کے پانی میں چھوڑے کی نئیں؟"

"رائتہ تیار ہو بھی گیا اور برف کی لگن میں رکھ بھی دیا گیا۔"

"ہور خورمہ کے۔۔" اب نصیبن بوا کا پارہ چڑھ گیا۔

"ماما بی ـــ ایسی ہی بڑی منتظم آپ تھیں تو ہم پھوہڑ خواتین کیوں بلوائی گئیں؟"

"ہم رنڈیوں کے واسطے کھانا نئیں پکاتے بول کے۔ ہم خالی بی بی ہور پاشا لوگاں کا کھانا پکاتے ـــ ان کے مرد مہمانوں کا بھی کھانا پکاتے، پر ہم شریف غریب لوگاں ہیں ایسے ویسوں کا کھانا ہم نہیں پکاتے ـــ" نصیبن بوا نے غصہ پی کر ذرا دلچسپی سے پوچھا

"تو کیا آج پہلی بار محل میں طوائفیں ناچ رہی ہیں؟ یہ تو سدا سے ہوتا ہی آیا ہوگا۔"

"ہوتا تو آیا برسوں سے ـــ ہور جب جب بھی باہر سے رنڈیاں ناچنے گانے کو آتے، بھٹیارے بلائے گئے ـــ پر یہ جو آج ناچنے گانے کو ماں بیٹی آریئے اُنوں بولے کی ہمارے کو ہور ہمارے ساتھ والے لوگاں کو دِتی والی بھٹیارنوں کے ہاتھ کا کھانا ہونا۔"

"یہ کس خوشی میں؟" بوا نے ذرا مسکرا کر پوچھا۔

"وہ ایسا بول بھیجائے کی ہم کو اپنچ عورتاں کے پکوان کی عادت ہے نئیں تو گلا خراب ہو جاتا ـــ"

نصیبن بوا کے ساتھ کی ساری لڑکیاں بالیاں مارے تجسس کے آس پاس آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"اے ہے لطف رہے گا نا ـــ" ایک سرگوشی میں دوسری کو ٹہوکا دے کر بولی۔

"ہائے سچ! جلدی جلدی کام نپٹا نہ لیں ـــ ناچ گانا نہ ہو تب بھی ایسی عورتوں کو تو صرف دیکھنے ہی میں کتنا مزا آتا ہے ـــ ہے نا؟"

نصیبن بوا نے گھور کر لڑکیوں کو دیکھا ـــ لہسن کے جوے پر سارا غصہ اتار کر

ماما بی سے بولیں۔

"یہ نواب صاحبان طوائفیں کیوں نچواتے ہیں؟"

ماما بی نے ناک پر انگلی رکھ کر ذرا اچنبھے سے دیکھا اور بولیں۔

"اُنوں کو اچھا لگتا۔"

محل کے باورچی خانے سے اوپر کے کام والی دو چار عورتیں بھی اپنے اپنے کام نپٹا کر دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی اس محفل میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ سکینہ بی مُسکرا کر بولی۔

"اچھا تو لگتا ——— اس واسطے اِچ نچواتے گوا تیں۔ پن اس وخت تو دوسری اِچ بات ہے۔" سب اس کا موہنہ دیکھنے لگیں تو وہ ہنس ہنس کر سنانے لگی:

"اگے نواب صاحب کی شادی ہونے والی ہے کی تیں اس واسطے اُنوں ایک نایک زادی کو محل میں اِچ بُلا بُلا کو، نچا نچا کو، گوا گوا کو پرکھ رئیں کی جو سب سے اچھا ناچیں گی گائیں گی، اُس کو بارات والے دِن بڑی محفل میں نچوائیں گے ———" نصیبن بوا نے اُلجھ کر اپنے آس پاس کھڑی عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھا۔ ان میں کنواری بھی تھیں۔ بِگڑ کر بولیں:

"اری روشن، تم یہاں کھڑی کھڑی کیا موہنہ تکے جا رہی ہو۔ جاؤ اصغری تم اور دو چار جنے مِل کر سندور دہکاؤ۔"

اصغری نے موہنہ بنا کر روشن کو دیکھا۔

"ایسی اچھی اچھی باتیں ہو رہی ہوں تو ہمیں یونہی بھگا دیا جاتا ہے موہنہ۔ چلو آؤ۔"

کچھ کھسکیں، کچھ وہیں کھڑی رہیں۔ سکینہ بوا کا بیان جاری تھا۔

"یہ آج بچی بولیتوں کوئی گیارھویں بارھویں ناچن آنے والی ہے۔ سرکار کو ابھی تک کوئی پسند اِچ نئیں آئی۔"

"جو ناکام ہو کر جاتی ہوں گی ان بے چاریوں کا دِل ٹوٹ نہ جاتا ہوگا۔" نصیبن بوا دُکھ سے بولیں۔

"دِل کائے کو تُوٹیں گا۔ اگے نئیں بھی پسند کرے تو سرکار اِتا دھن دولت، زیور دیدیتے کی پُوری زندگی بیٹھ کو کھانا، پرختم نئیں ہونا"

"پھر بھی!" نفیسن بُوا بس اِتنا ہی بول کر رہ گئیں۔

"پھر بھی کیا پھر بھی۔ ہور کیا وہ راندڑاں ایک ہی پر بس کر کے تھوڑی رہتیں۔ اگے اِن کا تو دھندا اِچ یہ ہے۔ ایک پکڑ، ایک چھوڑ، میں اِچ ساری زندگی گزر جاتی بول کے" "بڑے لوگاں کی بڑی باتیں"

بُوا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں: "خُدا بخشے دادی مرحومہ بھی دہلی کے اُمرا کی ایسی ہی سُناتی تھیں"

"اے کچھ نہیں بٹیا۔ پیشے الگ الگ ہیں لیکن بات ایک ہی ہے" انہوں نے گرم ہوتے ہوئے تندور کی طرف دیکھ کر دُکھ سے کہا "اس کم بخت پیٹ کی آگ بجھانے کو اس تندور کو دہکانا ہی پڑتا ہے"

سکینہ بی ذرا بگڑ کر بولیں: "اِتّی تمنا اُنے اُجاڑ ماریوں کے ساتھ کائے کو اِتّی ہمدردی جی۔ موئی پلید رانڈاں۔ ہزار مردوئے چھوڑ کر بیٹھتیاں، اس واسطے تو ہم لوگاں بھی رنڈیوں کے واسطے کھانا نئیں پکاتے"

کھانے کا نام سُن کر نئے سرے سے ماما بی کو فکر نے آگھیرا۔

"اَئی میں تو چلیتوں اب۔ مگر دیکھنا کھانا مغرب تک پورا تیار ہو جانا نئیں۔ بڑے سرکار خود آکر میرے کو جتا گئے تھے۔ بی بی لوگاں تو ایسے موقعوں پر ذرا دخل نئیں دیتے۔ ہور دخل دُنیا بھی نئیں چاہئے۔ شریف عورتاں کائے کو رنڈیوں بھنڈیوں کے کاماں میں دخل دیں گے۔ اِتا برداشت کر لیتے اِچ سو غنیمت ہے کی ناچنے گانے والیاں آتے پن کچھ نئیں بولتے ـــــ شریف بیبیاں مردوں کے باتاں میں بولنا بھی نئیں کچھ" وہ اپنا سفید سر ہلاتی، بک جھک کرتی زنان خانے کو ہولیں اور ساری لڑکیاں بھرا مار کر

ہنڈیوں اور بیل گاڑیوں کی طرف لپک پڑیں جن پر لد کر شامیانے اور سجاوٹ کا سامان آیا تھا۔ جس دن طوائفیں آنے والی ہوتیں، زنان خانہ سُنسان ویران پڑجاتا۔ ساری رونق بیٹ کر مردانے میں اکٹھی ہوجاتی۔ بیبیوں کا دستور تھا وہ اپنے برتنوں اور باورچی خانوں میں کبھی بازاری عورتوں کا پکوان نہ پکنے دیتیں ــــ اس دن طوائفوں، سازندوں اور ان کے ساتھ والوں کا کھانا باہر مردانے آنگنوں میں بڑے بڑے چولہے اور تندور لگا کر پکوایا جاتا۔ اس دن محل کے مردوں کا کھانا بھی باہر ہی پکتا ــــ شہر کے مشہور بھٹیارے بلوائے جاتے۔ اور شادی کا سا سماں بندھ جاتا۔ "شوکت محل" میں طوائفوں کا آنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ لیکن ان دنوں کچھ زیادہ ہی دھوم دھام تھی ــــ نواب شوکت یار جنگ کی اپنی شادی ہونے والی تھی، اور وہ جانتے تھے کہ سارا حیدرآباد دکن ہی اس شادی میں اُمڈ پڑے گا۔ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کے باوجود ناچ رنگ اور مجرے کا بھی اپنا ایک مخصوص معیار ہو۔ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا۔ جو بھی کرنا تھا خود ہی کو کرنا تھا ــــ ویسے شادی کے اور انتظامات تو اماں حضور کر رہی تھیں۔ لیکن یہ مخصوص شعبہ ان کے اپنے سپرد تھا۔ اس سلسلے میں ایک سے ایک طرح دار طوائف جو گانے میں بھی اپنی مثال اور ناچنے میں بھی اپنی مثال آپ ہوتی آتی رہی، بلائی جاتی رہی اور دھتکاری جاتی رہی۔

"کیا حیدرآباد میں اچھی نامور اور باکمال طوائف کا کال پڑ گیا؟" وہ اپنے آپ سے پوچھتے ــــ وہ بہت چھوٹے سے تھے، لیکن اچھی طرح یاد تھا کہ ان کے دادا کے زمانے میں اسی "شوکت محل" میں کیسی کیسی چھیل چھبیلی لڑکیاں آیا کرتی تھیں اور سنگ مرمر جڑے بڑے گلابی محل میں مرغابیوں کی طرح تیرتی پھرتی تھیں ــــ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ کچھ بھی سمجھ نہ پاتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن دماغ کے پردے پر وہ صورتیں کبھی نہ مٹنے کے لئے محفوظ اور نقش ہوتی گئیں۔ پھر جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے سمجھ آتی گئی ــــ لیکن اب جبکہ وہ خود بھرپور جوان تھے، وہ طرح دار رقاصائیں اور کوئلیں تو خود بھی بڑھیا ہو چکی ہوں گی،

لیکن قدرت جو اس قدر سخی اور فراخ دل ہے اُس نے اپنے خزانے بند تو نہیں کر دیئے ہوں گے!
وہ اسی خوب سے خوب تر کی تلاش میں آئے دِن محفلیں سجاتے رہتے تھے ـــــ اُن کے ہرکارے
ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر خبریں اور پتے لا رہے تھے۔

آج کا قرعۂ فال چوک کی ایک نسبتاً گُم نام اور کم معروف گانے والی زمانی بیگم
اور ان کی بیٹی کے نام پڑا تھا۔

"سرکار اب شادی کی تاریخ حضور آگے بڑھانے کی نوبت نہیں آئیں گی۔"
چھدو میاں دوہرے ہو کر بولے "سرکار خالی بات کرنے میں آواز کی مٹھاس کا وہ
حال ہے کہ جیسے کانوں میں شہد اُنڈل رہا ہو تو آپ سوچئے گانے میں کیا تو بھی نہیں مٹھاس
ہوتیں گی۔ حضور سرکار صورت تو آپ خود ابھی دیکھ لینا۔"

"کس کی، ماں کی یا بیٹی کی؟" نواب شوکت ذرا مسکرا کر بولے ـــــ
"نہیں سرکار بیٹی کی صورت بولتیں۔ ماں کا کیا ہے، کبھی سو سلیم شاہی جوتی۔"

آواز جس کے بارے میں چھدو میاں نے شہد کی مثال دی تھی، وہ تو ابھی نواب
شوکت نے نہیں سُنی تھی لیکن چہرہ، چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا اور دُنیا کی
ہر مثال، ہر تشبیہہ "اوں ہوں" کہہ کر نئی لُغت کی کھوج میں آگے دھکیل دیتی تھی۔
شکرام سے اُترتے ہوئے اس نے دو چٹکیوں سے اپنا زرتار غرارہ تھاما ہوا تھا
اُنگلیوں میں جھوٹے ہیرے موتی جڑی انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں کلائیوں تک لمبی آستینوں
کا کام دار کرتا تھا۔ اس سے اوپر کائنات کو تہہ و بالا کر دینے والا چہرہ تھا ـــــ اُس روشن
چہرے پہ ایک چھوٹی سی تیکھی ناک تھی جو جانے کتنی اونچی ناکوں کو جھکا دینے کا عزم کئے
ہوئے تھی ـــــ ایک چھوٹی سی نتھنی اس گلابی ناک کے ایک رہ رہ کر پھڑکتے نتھنے میں
نفاست سے پروئی ہوئی تھی۔ اس سے لگے ہوئے دو صبیح رُخسار بھی ہوں گے۔ ان سے

سو وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی ایک داستان کہہ دینے والے ہونٹ بھی ہوں گے ـــــ اور اسی چہرے پر اچھے بھلے انسان کو پاگل کر دینے والی دو جگمگاتی ہوئی ہلکی نیلی سی آنکھیں بھی ستاروں کی طرح جڑی ہوئی ہوں گی۔ ہوں گی ـــــ ضرور ہوں گی۔ لیکن نواب شوکت نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ اس ننھی سی نتھنی والی گلابی ناک نے ہی ان کی دنیا بھلا دی تھی ـــــ

لڑکیاں اتنی حسین بھی ہو سکتی ہیں ـــــ نہ پہلے کبھی انہوں نے سوچا تھا نہ دیکھا تھا ـــــ دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی اپنی ماں کے پیچھے پیچھے وہ یوں آئی جیسے بہتی ہوئی آ رہی ہو یا ہوا میں اڑتی ہوئی آ رہی ہو۔

نواب شوکت نے اپنے آپ کو آج تک اس قدر کمزور محسوس نہیں کیا تھا ـــــ وہ کیسے استقبال کو کھڑے ہوں ـــــ مانا کہ وہ طوائفیں تھیں، بہرحال آدابِ مجلس اور محفل اپنی جگہ جہاں ہر آنے والی خاتون کا اٹھ کر خیر مقدم کرنا ہی چاہیئے ـــــ اٹھائیس سال کی عمر میں اس قدر نقاہت۔ نواب شوکت۔ ابھی تو آپ کو منزلیں طے کرنی ہیں۔ اتنی تھکن ؟

دل کی آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے اٹھنا چاہا تو پاؤں جواب دے گئے اپنی کمزوری، اپنی بدتمیزی اور اپنی کج اخلاقی کو انہوں نے شانِ بے نیازی میں تبدیل کرنا چاہا۔ ایک نظر یونہی پڑے سے جگمگاتے ہوئے ہال پر ڈالی ـــــ نرم گداز قالینوں پر ریشمی گدے لگے ہوئے تھے ـــــ بیچ میں رقص کے لیے ایک دائرہ نما حلقہ چھوڑ کر آس پاس بچھی ہوئی چاندنیاں گدیلے۔ چاندی کے خوب صورت جالی دار پاندان اور ان میں سلیقے سے پان چھالیہ، الائچی، لونگ سب ہی کچھ تو تھا یہاں۔ چاندی ہی کے اگالدان، چاندی کے گلاب پاش۔ ایک علیحدہ مسند پر ساز بھی سجے ہوئے تھے۔

اب وہ اسی مسند کی طرف آ رہی ہو گی! دھیرے دھیرے کنول جیسے خوب صورت پیروں سے چلتی ہوئی، نہیں وہ چلتی کہاں ہے وہ تو جیسے لہروں پہ بہتی ہوئی آتی ہے۔۔۔۔ اب ۔۔۔

اب اب وہ یہیں سے ، دِل کے پاس سے گُزرے گی . . . اب انہوں نے اپنی ساری طاقت جمع کر کے نگاہ پھیری ـــــ اسی وقت اس کی ماں نے اسے ذرا تنبیہہ کے سے انداز میں کہا۔

"جُھک کر تسلیم بجالاؤ بیٹی ـــــ"

ماں کا حکم پا کر وہ جھکی ـــــ یوں جُھکی کہ ساری کائنات ڈول گئی۔ وہ تو جُھکی بھی ، جھک کر سیدھی بھی ہو گئی ، لیکن نواب شوکت کو اپنا آپ سنبھالنے میں صدیاں لگ گئیں۔

ایک ایک کر کے لوگ آتے گئے۔ ہال بھرتا گیا ـــــ ساز بجنے لگے ، گھنگرو چھنکنے لگے وہ یونہی مسند پر ادھر سمٹی بیٹھی رہی جیسے اس ہنگامے سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ ماں گاتی رہی۔ سازندے اپنے طور پر جو جی میں آیا بجاتے رہے ـــــ ساتھ میں آئی دو تین بچیاں ناچتی رہیں اور وہ یونہی ہال کی سجاوٹ بنی بیٹھی رہی۔

نواب شوکت اُس ایک طرف نہ دیکھنے کی خاطر ساری دُنیا کا جائزہ لے رہے تھے ـــ باہر سارے نوکر ، نوکرانیاں دروازوں کی آڑ میں اپنے آپ کو چُھپائے اندر جھانکتے کھڑے تھے۔ دن بھر پکوان کرنے کے باوجود ، تازہ دم اور یہ تازگی صرف ایک زندگی بخش چہرے کے ہی دین ہو سکتی تھی ـــــ نظر آتی ہوئی بھٹیارنیں۔ خواصیں ، مامائیں ، بی بی پاشا لوگ کی کنیزیں چلمنوں کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی محل کی پردہ نشیں بیبیاں۔ پان چباتے ہوئے مہمان۔ داد دیتے ہوئے چہرے۔ پرلی طرف لاتوں میں مینریں لگاتے ہوئے پہرے۔ دُوسری طرف جا بجا آ کر برتن سفید سفید نیپکنوں سے پونچھتے ہوئے محل کے خادم۔ ساری چیزوں کو وہ دیکھ سکنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ لیکن ایک طرف۔ صرف ایک جانب اُن کی آنکھ اُٹھنے کا حوصلہ نہیں کر رہی تھی۔

"کیوں۔ آخر کیوں ؟

ایک دَم ساز تھم گئے۔ سب اپنی اپنی جگہ چونک گئے۔ چھدو میاں زمانی بیگم سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔

"آپ صاحبزادی سے کچھ سُنواتے تو ہمارے سرکار بھی خوش ہوتے۔ اب تک تو سب

بچوں کا ہی کھیل چلے ویسا تھا۔"

"آؤ بی بی۔ ذرا قریب آجاؤ ـــــ سچ تو ہے اب تمہیں گانا ہی چاہیئے" محفل میں سے کوئی بولا۔

"ناچ نہ ہوجائے پہلے۔"

"نہیں ـــــ" وہ جیسے سہم کر بولی "رقص نہیں، رقص نہیں۔"

سب لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگے ـــــ ماں نے اسے خشمناک نگاہوں سے گھورا ـــــ نواب شوکت نے زمانی بیگم کی نگاہوں کا مطلب تاڑ لیا۔ سنجیدگی سے بولے۔

"ٹھیک ہے ـــــ ابھی ان کا جی نہیں چاہ رہا ہوگا تو آپ کانے کو مجبور کرتے۔ گانا ہی سن لیتے ہیں۔"

زمانی بیگم کے تیور ابھی تک بدلے ہوتے تھے لیکن مصلحتاً مسکرا کر بولی۔

"چلو بیٹی، نواب صاحب جیسا فرماتے ہیں، یونہی سہی ـــــ" پھر انہوں نے نواب صاحب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"غزل، گیت، ٹھمری، ملہار؟ جو بھی آپ کی فرمائش ہو۔"

"جو بھی یہ چاہیں ـــــ نواب صاحب نے بہت سہمے سہمے انداز میں اس کی طرف اشارہ کیا ـــــ "گانے والے کی مرضی پہ چھوڑ دیا جائے، تو وہ بات ہی الگ ہوتی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے بڑھ کر سنبھلی ـــــ ہارمونیم والے نے ہارمونیم سنبھالا اور وہ شروع ہوگئی۔

روئے ہے شبنم کہ نیرنگِ جہاں کچھ بھی نہیں
خندہ زن ہیں گل کہ رنگِ گلستاں کچھ بھی نہیں

آواز کا جادو ساری محفل میں بھر گیا ـــــ لوگ آواز اور لے میں پہلی اٹھان ہی سے

کھو گئے تھے لیکن زمانی بیگم نے ساز اور طبلے کی تیز آواز میں اسے ٹوکنا شروع کر دیا۔

"پگلی ہوئی ہے لڑکی ــــــ"

"یہ کیا شروع کر دیا نامراد"

"دوسری چیز سُنا کم بخت"

لیکن اس نے دوسرا شعر شروع کر دیا:

جن کی نوبت کی صدا سے گونجتے تھے آسماں
دم بخود ہیں مقبروں میں ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

نواب شوکت جھوم جھوم کر سُن رہے تھے۔

ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں ــــــ ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں۔

اس ٹکڑے کی بار بار تکرار نے محفل کا رنگ بدل ڈالا۔ زمانی بیگم محفل کو سر دھنتے دیکھ کر سر پیٹ رہی تھیں۔

اس نے اگلا شعر بڑے کرب سے گانا شروع کیا:

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

اب یہ سب کچھ زمانی بیگم کی برداشت سے باہر تھا، وہ ذرا آگے جھکیں۔ طبلے پر زور کی ایک تھاپ ماری ــــــ تال ٹوٹ گئی۔ لوگوں کا دھیان بٹ گیا۔ شرکائے محفل نے بدمزگی سے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کیا۔

"نامراد یہ کون سا وقت ہے، ایسی عبرت ناک چیزیں پڑھنے کا۔ میرا تو دل ہول گیا ــــــ"

نواب شوکت بڑی دیر بعد محفل میں لوٹے۔ وہ ابھی تک اسی لَے، اسی آواز، اسی ماحول کے سحر میں تھے۔ نرمی سے بولے:

"کیا ہوا ؟"

" وقت کی چیز وقت پر اچھی لگتی ہے حضور نواب صاحب ! آپ نے تو بلایا ہے اس لئے کہ اپنی مبارک شادی خانہ آبادی کے بابرکت موقعے کے لئے کوئی پھڑکتی ہوئی محفل گرما دینے والی چیز کا انتخاب فرمائیں گے اور شادی کے مبارک دن یہی چیز حاضرین محفل کے سامنے پیش کی جائے گی اور یہ نادان، ناسمجھ، نامراد دیکھئے تو کیا گانے بیٹھ گئی ۔" زمانی بیگم نے اپنی بیٹی کو نواب صاحب کے عتاب سے بچانے کے لئے خود ہی لعن طعن شروع کر دی ۔ لیکن ان کی حیرت کی حد نہ رہی جب نواب صاحب نے ملائمت سے کہا ۔

" ہم یہ سوچ رہے ہیں کی اس سے اچھی چیز آپ کی بیٹی اور کیا گا سکے گی ہم بار بار یہی سننا چاہیں گے ۔"

" نصیب میرے کہ حضور بد مزا نہیں ہوتے ، ورنہ اس نے میری جان لینے میں کسر ہی کون سی چھوڑ دی تھی ۔"

" جان آپ کی نئیں ہماری لے لئے ہیں ان بی بی نے ۔" انہوں نے اپنے دل کی آواز سے خائف ہو کر سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کسی نے ان کے دل کی بات تو نہیں سن لی ؟ پھر سے جھوم جھوم کر سننے اور داد دینے لگے ۔

خاک پر ٹوٹا پڑا ہے کاسہ سرہائے ہائے
دورہیں اے جم، ترا جام جہاں کچھ بھی نہیں

پُرسوز لے اور جسم میں سے آخری سانس تک کھینچ کر نکال لینے والی، درد بھری آواز سے یہ شعر گاتے گاتے اچانک اس نے لے بدل کر دوسری غزل شروع کر دی ۔

ہے بہارِ باغِ دُنیا چند روز دیکھ لو اس کا تماشا چند روز
اے مسافر کوچ کا سامان کر اس سرا میں ہے بسیرا چند روز

اچانک پھر وہی لے ۔ وہی تان ۔ وہی شعر ۔ وہی کرب ۔

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

ادھر نواب صاحب جھوم جھوم کر سر دُھن دُھن کر داد دے رہے تھے ـــــ اہلِ محفل کی طرف سے زمانی بیگم پر کلدار روپیوں کی بارش ہو رہی تھی، کیوں کہ ان کی بیٹی نواب صاحب کا دل جیت گئی تھی۔ نواب صاحب خود بھی جب کسی طوائف کے رقص یا گیت کو پسند کر لیتے تو وہ تو جھومتے ہی رہتے اور مصاحبین نواب صاحب کی طرف سے فنکارہ پر روپیوں کی بارش کرتے رہتے۔

باہر دروازوں کے پٹوں سے لگی کنیزوں میں، چلمنوں سے جھانکتی بیبیوں میں، جا جمول پر بیٹھی بھٹیارنوں میں، خوشی کی دبی دبی سرگوشیاں چل رہی تھیں۔

"ہائے اللہ اب محل میں شادی ہوئیں گی۔ خوب مزا آئے گا نا؟"

"پھر کیا۔ نواب صاحب کی شادی کی ساری تیاری تو ہو گئی تھی۔ بس کوئی گانے ناچنے والی ایچ تو لپسند نہیں آر ئی تھی۔ سو وہ بھی آ گئی"۔

"اب اگلے مہینے میں ہو جائیں گی نا شادی، کیوں گے؟"

"اب ہونا تو چاہئے ـــــ پھر کیا معلوم ـــــ"

"اے خدا اگلے مہینے شادی نہ ہو" اصغری اپنی ساتھ والی سے بولی جتنے دن شادی رُکی رہے گی، نواب صاحب طوائف کو بلاتے رہیں گے اور ہمیں کھانا بھی اچھا اچھا ملتا رہے گا اور روپیہ پیسہ بھی بہت ملے گا ـــــ" یہی ساری بھٹیارنوں کے دل کی بھی آواز تھی لیکن نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا۔ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ ساری تیاریاں ہوتے ہوتے بھی شادی رُک گئی۔ نہ لڑکیوں بالیوں کے دل کھلے نہ بھٹیارنوں ہی کی دُعا قبول ہوئی کہ طوائف بار بار بلوائی جائے کیوں کہ ہوا یہ کہ نواب شوکت یار جنگ کو خود وہ طوائف ایسی پسند آ گئی کہ شادی ٹالتے گئے۔ اور بڑی انہونی بات یہ کی کہ خود ہی ایک دن اس کے دروازے پر جا پہنچے۔

اُس دن شوکت محل سے مال تو اتنا کچھ مِل گیا تھا کہ ماں بیٹی چاہتیں تو عمر بھر بیٹھ کر کھا سکتی تھیں۔ لیکن گھاٹ گھاٹ کا پانی پی ہوئی زمانی بیگم تو اس دن یہ دیکھ آئی تھیں کہ نواب صاحب کس طرح بٹیا پر للھوٹ ہو گئے ہیں اور جو کسی نے کہا ہے کہ طوائف کی نظر سدا مردوں کی جیب پر ہوتی ہے غلط نہیں کہا۔ زمانی بیگم کا بس چلتا تو پورا شوکت محل ہی اُٹھا کر اپنے گھر میں لے آتیں ـــــ اس دن آتے ہی بیٹی پر بے بھاؤ کی پڑیں۔

"کیوں ری حرام زادی، کون سا تیرا باوا مر گیا تھا کہ نوحے اور مرثیے پڑھنے بیٹھ گئی تھی ـــــ میں تجھے کیا سکھا پڑھا کر لے گئی تھی۔"

"جی؟" اس نے اپنی خوابناک اور معصوم آنکھیں اُٹھا کر پوچھا۔

"جی کی بچی ـــــ میں غرارہ پہنا کر اس لئے لے گئی تھی کہ ناچ تانا ـــــ ناچتے ناچتے غرارہ ذرا سا کھسکا چکنی دمکتی پنڈلی دِکھا دینا ـــــ کوئی کوئی سر پھرا مرد عورت کے سارے جسم کو چھوڑ کر بس ٹانگوں پر ہی دم دیتا ہے، مگر تو تو ایسی نکاحی دُلہن بن کر بیٹھی تھی کہ جسم کی ذرا بھی جھلک تک تو نے نہیں دکھائی۔

"اماں ـــــ" وہ بڑے نرم اور ڈرے ہوئے لہجے میں بولی: "آپ نے مجھے مولوی صاحب کے پاس پڑھنے کیوں بٹھایا تھا؟"

یہ سوال زمانی بیگم کی سمجھ میں نہ آیا۔ جلبلا کر بولیں:

"اری قرآن شریف پڑھنے کو اور کا ہے کو۔ مذہب سے واقفیت کو اور کا ہے کو ـــــ نئیں تو منکر نکیر تجھے چھوڑ کر مجھے ڈنڈے مارتے نہ آئیں گے جو اُلٹے سیدھے جواب دے تو۔"

"وہی تو کہتی ہوں اماں ـــــ آپ نے تعلیم دلوائی ـــــ میں نے جو پڑھا اسی پر عمل کرنا چاہتی ہوں ـــــ مذہب یہ کہاں سکھاتا ہے کہ غیر مردوں کو اپنے جسم سے پرچاؤ مذہب نے تو حیا کی تعلیم دی ہے، اور آپ نے خود میرا نام حیا رکھا ہے۔

"اے چولہے بھاڑ میں جائے جی موئی حیا شرم، اپنی جگہ، پیشہ اپنی جگہ، شرم حیا کو لے کر بیٹھ جائیں تو فاقے نہ کریں۔"

"فاقے کہاں اماں، اتنی دولت تو آپ نے جوڑ لی ہے کہ پشتوں ختم نہ ہو اور... ..."

اور ایک زناٹے دار ہاتھ حیا کے گال پر پڑا۔

"اری حرام زادی —— تو حرافہ تیری ماں حرافہ —— شریف زادی بننا ہے تو پڑھوا لے کسی سے دو بول —— جب سال کے پیچھے بچہ پیدا کرے گا، اور جوتوں لاتوں سے تواضع کرے گا پھر آ کر مجھ سے بات کرنا۔ حرام زادی کے مزاج ہی نہیں ملتے —— جب گانا سیکھنے کو بٹھاؤ، الٹے سیدھے بول اور تان نکالے گی —— ناچنے کو کھڑا کرو جان جان کر بے تال ہونے لگے گی —— تیری سات پشتوں میں کبھی کسی نے گھرداری اور ہانڈی ڈوئی کی ہے —— یہ ایک بڑی پردے دار بی بی بننے چلی ہے —— چھمن خاں!" انہوں نے مونہہ پھیر کر استاد کو آواز دی: "لے جاؤ لونڈیا کو اور آج تال دادرا اس کے بھیجے میں پوری طرح بٹھاؤ۔"

چھمن خاں ڈرتے ہوئے آئے تو وہ پھر گرجیں۔

"کیا کہا میں نے؟"

"جی تال دادرا۔" وہ ڈر کر بولے۔

"ٹھیکہ سناؤ اس کا۔"

"جی ——" چھمن خاں سہمی صورت بنا کر بولے: "دھا۔ دھن۔ نا۔ دھا۔ تن۔ نا ——"

"الو کے پٹھے ہو تم بھی ——" وہ جھنجھنا کر بولیں۔

"ٹھیکہ یوں ہے۔ دھا۔ دھن نا۔ دھا تن نا —— پہلے تو تم خود آئینے کے سامنے

کھڑے ہو کر اپنی میّت جیسی صورت پر فاتحہ پڑھو —— اس کے بعد لونڈیا کو پڑھاؤ ——
سمجھے ——" وہ اُٹھ کر پاؤں پٹختی خود ہی چلی گئیں —— چھمّن خاں روتی ہوئی آواز
میں بولے :

" بٹیا آپ انہیں غصّہ دلا دیتی ہیں، ہم غریب مارے جاتے ہیں —— ساری
عمر ساز سنگیت لَے، تال، ٹھیکوں میں گزری پر اللہ قسم جب غصّے میں ہوتی ہیں تو سارا
فن بھلائے دیتی ہیں —— اس دن بھی آپ پر غصّہ ہوئیں اور میں غلط وقت پر غلط راگنی
کا نام لے بیٹھا —— اب کون نہیں جانتا کہ میاں کی ملہار، جے جے ونتی، درباری، رات
کے راگ ہیں —— وہ کچھ بولیں، میں کچھ سمجھا۔ بول بیٹھا بھیرویں، اساوری پڑھتی رات
کے راگ ہیں —— حالانکہ میری تو عمر ہی ...... "

حیا دھیرے دھیرے آنسو بھری آنکھیں اُٹھا کر بولی :

" بابا آپ خواہ مخواہ دل چھوٹا کرتے ہیں —— یہ تو میں خود ہی منحوس ماری ہوں کہ
آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہوں "

" میرا کچھ نہیں جاتا بٹیا —— آپ کے لئے میرا دِل دُکھتا ہے۔ آپ ان کی بات
مانتی کیوں نہیں آخر "

" بابا جب آنکھوں میں سبز رنگ ہوں، جب یہ منظر بار بار کلیجہ مسوستا ہو کہ میں
اُبٹن اور مہندی سے مہکی ہوئی ہوں، گوٹے، ستاروں سے لدے جوڑے میں دُلہن بنی ہوئی
ہوں، پاؤں کے بچھوے وہ موسیقی سنا رہے ہوں جو آج تک کسی موسیقار نے تخلیق
نہیں کی۔ پھولوں سے سجی پالکی آنگن میں لگی ہوئی ہے —— نئی زندگی کی بے پناہ خوشی اور
خواہش آگے بڑھنے پر اُکساتی ہے لیکن پھر بھی میں کواڑ کے پٹ مضبوطی سے پکڑ لیتی ہوں
کہ نا، نا مجھے اس آنگن کو —— یہ تو کے اس دیس کو نہیں چھوڑنا ہے —— بہنیں دھیرے دھیرے
کواڑوں سے جکڑی میری اُنگلیاں چھڑاتی ہیں کہ جاؤ بہنا یہی تمہارا ہمارا سب کا نصیبہ ہے۔

کھائی موتہہ پھیرے آنسو چھپانا چاہتے ہیں، اور میں ایک پل روتی، ایک پل مسکراتی ـــــ آنسوؤں سے موتہہ دھوتی پالکی میں بیٹھ جاتی ہوں جس کے ساتھ گھوڑے پر چڑھے وہ بیٹھے ہیں ـــــ پیچھے مُڑ کر دیکھتی ہوں تو آنکھوں میں آنسو اور دُنیا بھر کا پیار لئے اماں ابا کھڑے نظر آتے ہیں تو میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی ہوں کہ اتنے میں ایک ہاتھ میرا ہاتھ تھام لیتا ہے اور جیسے ساری دُنیا کی خوشیاں میری گرفت میں آجاتی ہیں ـــــ بابا مجھے ایک ہاتھ چاہیئے ۔ بس ایک ہاتھ ۔ ایک ہی کا ہاتھ ـــــ"

"آپ میری بات کا جواب بھی نہیں دیتیں بٹیا ـــــ"

"بابا ـــــ" حیا اپنے آپ کے خول سے چونک کر نکلی ۔ چلئے ریاض کر لیں، ورنہ اماں میرے ساتھ ساتھ آپ پر بھی غصّے ہوں گی ـــــ" وہ ابھی دوسرے کمرے میں پہنچی بھی نہ تھی کہ بڑے دروازے پر دستک ہوئی ۔ چھمّن خاں لپکے ۔ اِدھر اُدھر سے ساری لڑکیاں بھی نکل آئیں ۔ زمانی بیگم وہیں سے وزیرن کو ٹھیلنے لگیں ۔

"اری یہ کوئی نیا آدمی جان پڑتا ہے جو دستک پہ دستک دِئے جا رہا ہے ـــ ورنہ جان پہچان کا ہوتا تو یونہی چلا نہ آتا ـــــ بھلا ہمارے سدا کے کھُلے پڑے دروازے پہ کوئی دستک کیوں دے گا؟"

پتہ چلا کہ نواب شوکت یار جنگ کا فرستادہ آیا ہے کہ شام کو نواب صاحب خود تشریف لانے والے ہیں ۔

چوک میں ایسے نصیب کس کے ہوتے تھے ؟ اسے تو وہ ہلور مچی کہ توبہ ـــــ اب رات آدھی رات کے جاگے تو ابھی ابھی گھر پہنچے تھے ـــــ صبح ہوا ہی چاہتی تھی ۔ دِن بھر تو سونے میں کٹ جاتا ہے ۔ جب رات بھر کے جگے ہوتے ہوں گے اور شام ہی شام کو جو نواب صاحب آجائیں تو گھر کو سجانے، سنوارنے، خود اپنے نہانے دھونے، بننے سنورنے میں کچھ تو وقت لگے گا ہی ۔" یوں کرو چھمّن خاں نواب صاحب سے کہلا دو مغرب

کے بعد تشریف لائیں کہ بندی نماز سے بھی فراغت پالے ــــ اچھا ہے بڑے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ گانے بجانے جیسے پیشے کے ساتھ ساتھ نماز روزے کی پابندی بھی کی جاتی ہے۔"

عصر کے وقت زمانی بیگم سو کر اُٹھیں بے ہنگم سے خوب اونچے پلنگ پر، پھونسڑے نکلے میلے تکیوں اور پھٹی پُرانی چادر پر پڑے پڑے انھوں نے نیچے جھانک کر اگالدان نکالا اور صبح کا دبا ہُوا پان بشاخ سے اگالدان میں تھوک دیا۔ پان کلّے میں دبا رہے تو بات نہیں کی جا سکتی نا۔ اب وہ گالیاں دینے کے لئے آزاد تھیں، مونہہ میں پیک وغیرہ کچھ نہ تھا۔

"جمالن، او جمالن۔ کدھر مر گئی سور کی جنی۔ اری او صابرہ۔ او خصموں دلوائی ـــ اری او ناتحقیق کی اولاد جھنّو۔ کوئی نہیں سُنتا ـــ اری او دلارن۔ موئی ساری جہنم کی کندیاں، مر جاؤ سب کی سب اللہ کرے منکر نکیر ڈنڈے لے لے کر تمہیں سارے جہنم میں گھمائیں۔"

صابرہ دوسرے کمرے میں مونہہ دبا کر ہنستی ہوئی بولی:

"ہم نے تو کبھی یہ سُنا اور پڑھا ہے کہ منکر نکیر قبر میں آتے ہیں نا کہ پورے جہنم میں آپا دھاپی اور چھپا پاکا کرتے پھرتے ہیں۔"

"ایسے موٹے موٹے کیڑے پڑیں تمہاری قبروں میں کہ جیسے سانپ۔" زمانی بیگم کی آواز مسلسل آرہی تھی۔

جھنّو ایک نمبر کی حرامی تھی ـــ کتابیں رسالے پڑھ پڑھ کر زبان بھی بہت تیز کر چکی تھی۔ ہنس کر دھیرے سے بولی:

"یہ مسلسل قبر اور دوزخ کو گڈمڈ کئے جا رہی ہیں۔ کوئی انہیں سمجھائے کہ کیڑے قبر میں پڑیں گے اور سانپ دوزخ میں ہوتے ہیں۔"

"ارے وہ نواب کی اولاد اُٹھی یا نہیں بے حیا۔"

"واہ بھئی، بچپن میں تو حیا نام رکھا اور اب اس میں بے کا اضافہ کر دیا تو بچپن ہی سے بے حیا رکھ دیتیں"

"اب چپ بھی کرو ——"، جھنو دھیرے سے بولی : "بے چاری باجی پر پھر سے پڑتال شروع ہو جائے گی۔ لو میں ہی جاتی ہوں ——" بہت معتبر بن کر وہ زمانی بیگم کے کمرے میں پہنچی۔

"جی اماں، آپ نے یاد فرمایا"

"اری نگوڑ یو! تمہارے کانوں میں پلنگ کی گلیاں پھوٹیں اللہ کرے —— کب سے بلا رہی ہوں، تم سب تیار ہو گئیں یا نہیں —— بس گھنٹے دو گھنٹے میں نواب شوکت یار جنگ آتے ہی ہوں گے۔ دیوان خانے کی صفائی کر لو اور پاندان، تاگردان، اگالدان، خاص دان سب صاف کر کے قرینے سے لگا دو"

"اور کچھ اماں جان ——"، صابرہ بظاہر بے حد سنجیدہ بن کر آ کھڑی ہوئی تھی ——

"اور کچھ نہیں ——"، وہ خفگی سے بولیں۔ "لیکن ہاں سنو، جب نواب صاحب آ کر بیٹھ جائیں اور میں چائے اور لوازمات کے لئے کہوں تو مجھے جواب دینا کہ اماں کم بخت ماری چابیاں صبح سے کھو گئی ہیں، ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے زار ہو گئے سب، ملتی ہی نہیں۔ بس اتنا کہہ کر واپس چلی جانا"

جمالن حیرت سے بولی : "اماں بی بی اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟"

"اری سو ترا فاؤں کی ایک ترافہ۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ نواب صاحب خود ہی بٹوے میں سے سو پچاس روپے اچھال دیں گے، یہ بھی مانگنے کا ایک طریقہ ہے، لیکن ایسا کہ ہاتھ بھی نہ پھیلے اور ہاتھ بھی بھر جائے"

حیا بازو کے کمرے میں سخت بے چینی کے عالم میں ساری باتیں سن رہی تھی۔ اُسے

یقین تھا کہ ابھی چند لمحوں میں اماں آکر چھاتی پر سوار ہو جائیں گی۔

"میری جان! یہ زیور پہن لے۔ میری بچی یہ جوڑا پڑھا لے۔ سنگھار کرلے۔ پھول سجا لے ——"، کتنا بچوں گی، ہر بار رو پیٹ کر، مار دھکے، جوتے لاتیں کھا کر بھی تو میں ان کا کہنا بالآخر مان لیتی ہوں تو شروع سے ہی کیوں نہیں مان لیتی —— میرے دل میں انکار کا جذبہ آخر پیدا ہی کیوں ہوتا ہے —— آخر میرے ساتھ کی یہ سب لڑکیاں بھی تو ہیں۔ جمالن، چھتو، صابرہ، دلاارن، بیگو یہ تو اماں کی ہر بات سن لیتی ہیں بلکہ لڑ لڑ کر زیور کپڑا مانگتی ہیں محفل سجتی ہے تو جان جان کر پھیرے لگاتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مردوں کی نظریں ان پر پڑیں یوں چلیں گی کہ کسی نہ کسی مرد سے اُن کے جسم کا کوئی حصہ ضرور مس ہو جاتے۔ کوئی انہیں تحفہ دے دے تو کس طرح خوش ہوتی ہیں —— اکیلے دکیلے میں مردوں سے لپٹ بھی جاتی ہیں —— میں کیوں ان سب جیسی نہیں بن جاتی —— اماں کی آخر کتنی گالیاں، کتنی گھڑکیاں، کتنے کوسنے، کتنے تھپڑ میرا مقدر بنیں گے —— سامنے اماں کھڑی تھیں۔

"اے ہے کیا چاند سا چہرہ نکل آیا ہے میری بچی کا —— دیکھو بھلا کبھی کبھی لے آنا بھی حسن کا باعث بن جاتی ہے —— نہ نیندیں کم ہوتی، نہ چہرہ یوں زرد پڑتا —— اچھا بٹیا اب اُٹھ کر جلدی سے چوڑی دار پاجامہ کرتا اور کرن بانکڑی والا دوپٹہ تو اوڑھ لے"۔

چوڑی دار ——؟ حیا سہم کر بولی۔

"اے وہی تو کہوں بیٹی۔ چوڑی دار پاجامہ پہننے سے جسم کے صحیح نقوش اُبھر کر آتے ہیں —— ماہر درزی کی سلائی ہو تو پتہ ہی نہیں چلے ہے کہ پاجامہ کدھر اور جسم کدھر۔ بس یوں چپک جاتے ہے —— اری بٹیا تجھے کتنا سمجھاؤں کہ مرد کو پرچانا کوئی بڑی بات نہیں۔ بس سارا گُر ایک ہی گرمیں پوشیدہ ہے۔ ہاتھ مت آؤ۔ وہ دو قدم آگے آئے، تم دو قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ وہ تمہاری آنکھوں کی تعریف کرے تو اُس پر سے اپنی آنکھیں ہی ہٹالو —— وہ مُنٹ مُنٹ تمہیں دیکھتا رہے، دیکھتا رہے، تم ایک آدھ چھوٹی سی نظریوں ہی پھینک دو،

یوں کہ وہ یہ حرکت تمہاری دیکھ ضرور لے ــــ لیکن پھر انجان بن جاؤ اور کن انکھیوں سے محسوس کرتی رہو کہ وہ دیکھ تم ہی کو رہا ہے ــــ جال میں پھنسے طائر کی طرح اسے تڑپنے دو، مچلنے دو، جال تنگ سے تنگ کرتی جاؤ، آزاد مت کرو ــــ" انہوں نے لفظ آزاد پر زور دے کر پھر سے کہا "آزاد مت کرو ــــ کیوں؟ کیوں کہ ایک بار وہ پرندہ ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا تو سمجھو ہار ہو گئی، اور بٹیا ہمارے پیشے میں عورت کی ہار، اس کی موت ہے اور موت سے بچنا ہے تو مرد کو تڑپاؤ، اور مرد کو تڑپانا ہے تو جسم کا سہارا لو۔ اور سنو بیٹے کی بات۔ جسم بھی ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ ضروری تمہارے چہرے کی دولت ہے۔ یہ چہرہ ــــ یہ عورت کا چہرہ کسی افسوں سے کم نہیں ــــ اس میں بڑی ہوئی بظاہر یہ بے ضروری آنکھیں مگر یاد رکھنا کارزارِ حیات کے سارے فیصلے اسی میزان کے سائے میں ہوتے ہیں ــــ بظاہر ایک چھچھلتی ہوئی سی نگاہ اچھے خاصوں کو منزل سے بھٹکا دیتی ہے۔ پھر دو ہونٹ عورت کا انمول ترین خزانہ۔ یہ مٹانے پہ ہی آجائیں تو مرد کی کیا ہستی ہے بے چارے کی ــــ دھیرے سے کھلتے ہوئے ہونٹ اور بند ہوں تو ہلکی سی مسکراہٹ کی آنچ دیتے ہوئے ہونٹ۔ یاد رکھنا بیٹی، شراب و راب میں کچھ بھی نہیں دھرا ــــ شراب کا لبریز، حواس گم کر دینے والا پیالہ تو خود عورت کا وجود ہے۔ جس میں چہرہ سرِفہرست ہے۔ میں نے ناک کا ذکر نہیں کیا اور اس لئے نہیں کیا کہ اس میں ایک چھوٹی سی نتھنی ہوتی ہے، جو مرد کو اپنے گھیرے میں باندھ لیتی ہے اور نتھ اُتر جائے تو نکیل ناک میں پڑ جاتی ہے ــــ اور یہ بھی نہ بھولو کہ عورت مرد کی پسلی سے، دل کے قریب سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اس لئے دل کے قریب سے پیدا ہوئی ہے کہ وہ مرد کے دل پر راج کرے ــــ نہیں تو وہ مالک وہ کارساز جس کا رچایا ہوا یہ سارا کھیل ہے، وہ عورت کو مرد کے پیروں سے قدموں سے بھی پیدا کر سکتا تھا تاکہ ساری عمر پیروں میں رلتی رہے۔ لیکن نہیں وہ دل کے قریب سے نکالی گئی ہے، تاکہ دل پر بادشاہت کرے۔ اور تم بھی عورت ہو ــــ خوب صورت جسم اور گمراہ کن چہرے کی مالک ہو، اس لئے بٹیا بادشاہی کرو۔ ایک زمانے کو اپنے

قدموں میں جھکا لو کہ بادشاہی کے آداب ہی یہ ہوتے ہیں کہ غرور سے تنے ہوئے سروں کو اپنے حضور جھکایا جاتے نہ کہ خود سربسجود ہو جایا جاتے۔ اُٹھو ـــــ میں نے دُنیا دیکھی ہے۔ دُنیا نے بھی مجھے دیکھا ہوگا۔ لیکن میں نے دُنیا کو زیادہ غور سے دیکھا ہے اور زیادہ سمجھا ہے اور یہ بھی سمجھ گئی ہوں کہ نواب شوکت یار جنگ تو تم سے دل ہاری بیٹھے ہیں۔ لیکن تم بھی ان کے سحر میں آگئی ہو اور یہی چیز غلط ہے، بلکہ سب سے غلط چیز یہی ہے۔ لوگ مندر میں ماتھا ٹیکنے آتے ہیں۔ مندر خود کسی کے آگے نہیں جھکتا ــــــ، جیا نے گھبرا کر سر اُٹھایا۔ زمانی بیگم نے بغیر سانس لیے اپنا بیان جاری رکھا: "میں تمہاری ماں ہوں۔ جیسی بھی ہوں تمہاری ماں ہوں۔ تمہاری بھلائی ہی چاہوں گی اور جو تم مذہب مذہب کی دہائی دیتی پھر رہی ہو تو یہ تم نے خود ہی مذہب میں پڑھا ہوگا کہ ماں بہرحال ماں ہوتی ہے اور اس کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے ــــ عاقبت کی خبر خدا جانے ــــ اس دُنیا میں تو کم از کم میں تمہیں جنت بخش دوں اور جنت کے حصول کے لیے صرف دولت درکار ہوتی ہے بٹیا صرف دولت ــــ اور جب کہ دولت خود تمہارے دروازے تک چل کر آئی ہے، اسے یونہی نہ ٹھکرا دینا۔"

نواب شوکت یار جنگ سخت بے دلی سے بیٹھے ہوتے تھے ــــ وہ ان نوابوں میں سے تھے جو خود کسی طوائف کے در پہ جبہ سائی کرتے نہیں جانتے ــــ ٹھن ٹھن روپیہ گِن دو ــــ ناچنے گانے والیاں خود ہی حاضر۔ یہاں دِل چوٹ کھا گیا تھا ــــ روک ٹوک کسی کی نہ تھی۔ سیدھے اُٹھ کر چلے آتے ــــ عجیب اٹ پٹا سا ماحول تھا۔ جس دیوان خانے میں وہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ صاحبِ خانہ کے حسابوں بڑی اچھی طرح سنوارا گیا تھا۔ مگر وہ سخت بدمزہ ہو رہے تھے ــــ دیوان پہ جو سیج نما بستر لگا ہوا تھا اس کے پیچھے ہاتھ کے رنگے گلابی ململ کے ٹکڑوں سے گلاب کے پھول بنا کر دیوار گیریاں بنائی گئی تھیں ــــ دیواروں کو گوند سے کپڑا چپکا کر بالکل ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اور اُن پر

جا بجا دہی گلاب کے کپڑے والے پھول ٹانک دئے یا چپکا دیے گئے تھے۔ گدا موٹا ضرور تھا لیکن جانے اس میں گھر بھر کے بیکار پھٹے پرانے کپڑے ٹھونس دیے گئے تھے یا ناریل کے کھوپچے بُرادہ اور رسیاں بھر دی گئی تھیں کہ عجیب اوبڑ کھابڑ ہو گیا تھا ——— سطح بے حد ناہموار تھی، اور کم بخت گاؤ تکیہ مرے ہوئے ہاتھی کے بچے کی طرح پسرا پڑا تھا ——— وہ نشست جمانے کے لئے بار بار کہنی کے نیچے سے کونے میں بھرنے کے لئے تکئے کو سمیٹتے اور وہ پہلو سے نکل بھاگتا ——— ایک طرف کھونٹی پہ مُردہ باسی ہار لٹک رہے تھے۔ چلو لٹک رہے تھے تو ٹھیک تھا۔ مچھروں کے پرے کے پرے آ کر ان پر جھول رہے تھے۔ جو ہاروں سے کبھی کبھار بے زار آ کر نواب شوکت یار جنگ کے جُھنڈ کے جُھنڈ بالوں پہ دھاوا بول دیتے ——— پاندان، ناگردان، اُگال دان غرض کئی دانوں کی قطار سجی کھڑی تھی جو انہیں سخت بے ڈھنگی لگ رہی تھی۔

"عجیب نااہل لوگ ہیں ———" انہوں نے اُلجھ کر اپنے آپ ہی سوچا ——— "اُگال دان کسی چیز کی اوٹ میں رکھ دیتے یا دیوان کے نیچے کھسکا دیتے ——— یہاں رکھنے کی کیا تُک تھی ——— خواہ مخواہ دیکھ دیکھ کر متلی ہو رہی ہے۔"

نیچے دوسرے گدیلے پر ایک طرف ہارمونیم، مردنگ دو توں طبلے، دایاں، بایاں، سارنگی اور ایک ڈھولکیا پڑی ہوئی تھی۔ چینی کے آڑے ٹیڑھے ناہموار ٹکڑے فرش میں جڑے ہوئے تھے اور ناچنے کے لئے ایک گول دائرہ سا بنا دیا گیا تھا ——— ایک طرف دیوار سے گھنگرو بھی لٹک رہے تھے ——— سخت بیزار کُن ماحول تھا ——— اور اگر اس سے بھی ہزار گُنا، لاکھ گُنا بیزار کُن ماحول ہوتا بھی تو کیا تھا اگر نگاہ اُٹھانے پر ایسی حسین اور سر سے پیر تک سونے میں بنی مورتی نظر آ جاتی جو کہ اس وقت نظر آ رہی تھی اور نواب شوکت یار جنگ پلک تک جھپکنا بھول گئے تھے۔ اس وقت پلک جھپکنا گویا خدا کی نعمتوں سے ناشکر گزاری کا اظہار ہوتا ——— گہرے ہرے چمکیلے ساٹن کا پنڈلیوں پر کسا ہوا پاجامہ

اسی رنگ کا کمرے تنگ لیکن نیچے جا کر گھیر لیتا ہوا کُرتا - جس کی آستینیں جالی کی تھیں اور مدور شانے جھلک جھلک کر ایمان خراب کئے دے رہے تھے ـــــ جالی کا سبز رنگ کا چکیوں بھرا دوپٹہ جس پر کرن یا نکڑی کی جھالر سجی تھی ـــــ وہ جھالر پھول پھول چہرے کو چاند چاند کئے دے رہی تھی - اس نے جب کمر کو قدرے خم دے کر آداب کیا تو اتنا تو شوکت نواب کو یاد رہ گیا کہ ہاں اس نے آداب کیا تھا - لیکن ساتھ ہی اس نے جو آنکھیں اُٹھا کر دیکھا تھا وہ سارا سلسلہ ایک خواب کی طرح تھا - ایسی باتیں کرتی ہوئی آنکھیں ، ایسی وعدہ کرتی ہوئی آنکھیں ایسی جان نہ پہچان ہونے پر شکوہ کرتی ہوئی آنکھیں انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں ـــــ وہ یوں ہی کھڑی کھڑی انہیں بڑے پیار اور اپنائیت سے دیکھتی رہی اور وہ سوچتے رہے کہ چیتے رہے کہ اپنی شادی کو کیسے ٹالیں ـــــ شادی ، جس شادی کے سلسلے میں انہیں یہ انمول سوغات ملی تھی ـــــ شاید وہ اس اصول پر کاربند تھے کہ باتیں کرنے سے لمحوں کی وقعت گھٹ جاتی ہے ـــــ

بڑے بے ڈھنگے پن سے جس میں کچھ جھینپنے کی بھی چھاپ تھی - نواب صاحب بولے -

"رات کو آپ کتنا اچھا گاتے - ہمارا تو مرنے کو جی چاہنے لگا ہے ۔"

"میں معافی چاہتی ہوں کہ اس نااہل نے محفل کا رنگ دیکھا نہ اور کچھ سوچا اور ماحول کو غمگین کر دیا - دراصل مجھے غم سے اُنس ہے - اس کی لہر مارتے پانی کی طرح صاف و شفاف آواز ، اس کا نفیس لہجہ ، نکھری سُتھری بات چیت سُن کر وہ اپنے آپ سے ذرا خجل ہو گئے - بولے :

"آپ کہاں کے ہیں ؟ ہمارا مطلب آپ کا وطن ؟"

"جی ـــــ یہی حیدرآباد دکن ـــــ" اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی -

"یہ آپ نے کیوں پوچھا ؟"

اسی لمحے سلیقے اور نفاست کی پُتلی بی زمانی بیگم بھی کمرے میں آ گئی - نواب صاحب نے

انہیں نظرانداز کرتے ہوئے حیا نے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا۔
"اب لہجے اور بات چیت سے تو حیدرآباد کے نہیں دِکھتے۔
"اے حُضور بات سے بات نکلتی ہے دیکھئے نا، مَرد کی فطرت میں خداوند قدوس نے تنوع پسندی اور رنگا رنگی رکھ دی ہے۔آپ جیسے قدرداں جب زحمت اُٹھا کر آتے ہیں تو یقینی اپنے ماحول سے ہٹ کر نیاپن چاہتے ہیں۔آپ کے گھر کی بیگمات اب دکنی اُردو تو بولتی ہی ہوں گی ـــــ یہاں آکر آپ کو ایک نیا پن ملانا ـــــ آپ کا دِل خوش ہو یہی ہماری زندگی ہے ـــــ پھر زمانی بیگم نے بطورِ خاص نواب صاحب کو خوش کرنے کے لئے کہا "جب آپ کم تر لیکن لکھنؤ، دہلی یا شمال کے رئیس اُمراء آتے ہیں تو میَں بٹیا کو کہتی ہوں کہ ان سے دکنی اُردو میں بات کرے کیوں کہ یہ چیز اُن لوگوں کے لئے انوکھی اور دِل کھینچ ہوتی ہے۔میری بٹیا دونوں طرح بڑی روانی سے بولتی ہے ـــــ آپ پسند فرمائیں تو وہ آپ سے آپ ہی کے ماحول کی بات کرے ـــــ"

نواب صاحب بیزار ہو کر بولے: "ہم کو ان کی زبان سے زیادہ بے زبانی پسند ہے"
وہ بہر حال ایک نواب تھے اور دِل کی بات دِل میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ ذرا رُک کر بولے:
"اور آپ باتاں بہت کرتے ہیں"
"اے حُضور، ساری زندگی ان باتوں ہی کی تو کمائی کھائی ہے" یا بے غیرتی تیرا آسرا۔
وہ مذمّت کو بھی جان بوجھ کر تعریف کے زُمرے میں گھسیٹ لے گئیں۔ ایک دَم انھوں نے ذرا زور سے پُکار کر کہا:
"اے وزیرن ـــــ لڑکیوں میں سے کسی کو بھیجو۔ چائے پانی کا کچھ تو انتظام کرو نیک بختو!"
جھنّو مٹکتی ہوئی آئی اور بولی: "اماں بی بی ـــــ نگوڑی چابیاں ہی چھنے پڑ گئیں ـــــ"

"وزیر بی سے پوچھا ہوتا ——" وہ بن کر ذرا فکرمندی سے بولیں۔ یا ظہورن سے پوچھ لو ——"

"اَی میرے کو کیا معلوم ماں —— مَیں کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ سارے چھوکریاں دن بھر بستر گھوس لیتے پھرتے۔ وہ نیچ میں ہوں گی۔ چادراں اُٹھا کو دیکھے کیا؟"

ماما بی نے حلفیہ بیان دُور ہی سے اتنی زور سے دیا کہ نواب صاحب خود ہی بول اُٹھے۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی —— چابیاں کھو گئے تو کیا فرخ پڑ گیا۔ لیجئے یہ بھی آپ ہی کا روپیہ ہے۔ اور انہوں نے پورا بٹوہ ہی اُنڈیل دیا۔

حیا نے بڑی تکلیف سے اماں کی طرف دیکھا —— مونہہ سے کچھ نہ بولی۔

مونہہ سے بولنے کی وہ قائل تھی بھی نہیں —— بعض لوگوں کو خدا ایسی آنکھیں دیتا ہے جو کئی زبانوں پر بھاری ہوتی ہیں اور حیا کی آنکھیں بھی انہی آنکھوں میں سے تھیں ——

اس دن جب نواب شوکت تشریف لائے تو زمانی بیگم نے جان بوجھ کر بٹیا کو تنہائی کا موقع بخش دیا۔

"یاد رکھ!" انھوں نے تنبیہ کی: "تنہائی مرد کو شیر بنا دیتی ہے اور وہ اپنے شیر ہونے کو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں بھول پاتا —— شکار پر جھپٹ پڑنے کو بے قرار ہو جاتا ہے —— اب یہ تیرا کام ہے کہ تُو کس طرح اپنے آپ کو بچاتی ہے۔ جب تک بچی رہے گی تبھی تک وہ جھوٹا رہے گا —— آگے پیچھے پیچھے آگے۔ ایک بار اس کے ہاتھ تیرے گریبان تک پہنچ گئے تو سمجھ لینا کہ تیرے سارے منتر اور داؤ اوچھے پڑ گئے۔"

حیا نے سوچا: "یہ میری ماں ہے!"

نواب صاحب آئے۔ ان کے آنے میں تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ کئی لوگ آتے ہیں

لیکن جب وہ جانے لگے تو حیا کو احساس ہوا کہ اماں کی تجربہ کار اور جہاں دیدہ نظروں نے شاید غلط نہیں سمجھا تھا ــــــ انہوں نے تو جانے کے لئے صرف دیوان چھوڑا تھا۔ حیا کو لگا کہ اس کے دِل نے اپنی جگہ ہی چھوڑ دی ہے۔

جاتے جاتے وہ بڑی لگاوٹ سے بولے:

"آپ کوئی بات تو کرتے ہی نہیں ــــــ ہمارا آنا جانا سب بے کار ہی لگتا ہے ہم نا ــــــ"

حیا صرف مسکرا کر رہ گئی ــــــ وہ دروازے تک پہنچ کر عجیب سے ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

"خُدا کے واسطے ایسے مت مسکرانا کبھی ــــــ کبھی بھی نہیں ــــــ ہم دِل کے بہت کچے آدمی ہیں ــــــ"

حیا نے وہیں کھڑے کھڑے اماں کی ساری نصیحتوں کو بھلا کر بے چارگی سے کہا:
"کچھ دیر اور نہیں رُکئے گا؟" نواب صاحب جیسے اسی ایک جملے کے منتظر تھے۔ تیزی سے پلٹے اور قریب آکر اس بُری طرح حیا کو لپٹایا کہ اس کی سانس اس کے سینے میں گھُٹ گئی ــــــ

ایک طوائف کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ جملہ نہیں کہہ سکتی:
"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا؟" اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ اس کی زندگی ہی یہ ہے۔ کوئی دیکھے گا بھی تو کچھ نہیں کہے گا ــــــ کیوں کہ وہ جس منڈی اور جس بازار کی مسند پر بیٹھی ہوئی ہے وہاں سب سے پہلے شرم ہی نیلام ہو چکی ہوتی ہے ــــــ لیکن یا تو یہ تھا کہ حیا کے دِل نے اُسے طوائف ہی نہیں مانا تھا۔ یا پھر یہ تھا کہ شرم و حیا کی پونجی اُس نے ابھی تک سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ وہ کسمسا کر بولی:
"خُدا کے لئے نواب صاحب کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ــــــ" نواب صاحب

اس وقت ایسی سلطنت کے بادشاہ تھے جس کے چھن جانے کا دور دور تک شائبۂ خوف نہ تھا۔ بڑے مضبوط لہجے میں بولے:

"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا —— یہی کہے گا کہ ایک دولہا اپنی دولہن کو پیار کر رہا ہے۔"

"نہیں ——"

"نہیں —— نہیں ——"

وہ چیخ اٹھی: "یہ جھوٹ ہے —— یہ جھوٹ ہے —— میری دنیا کی کسی عورت نے آج تک اتنا بڑا فریب نہیں سہا۔" اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے —— اس کا نازک وجود کانپے جا رہا تھا ——

"میری دنیا —— ؟" نواب حیرت سے بولے۔

"تمہاری دنیا —— ؟ وہ کون سی دنیا ہے؟ نادان لڑکی ہم تمہیں اپنی پناہ میں لے لئے تو ہماری تمہاری دنیا تو ایک ا ج ہو گئی نا؟"

اس نے دھڑ دھڑ دھڑکتے دل کو تھاما۔

"کان یہ کیسی انہونی باتیں سن رہے ہیں خدایا۔ کہیں گر کر بے ہوش نہ ہو جاؤں ——"

اس نے دیوان کے کونے میں ٹک کر اپنے آپ کو سنبھالا۔

"آپ کو پتہ ہے نواب صاحب۔ یہ ہماری محض تیسری ملاقات ہے۔"

"جی ہو —— پھر؟" وہ حیرت سے بولے۔

"اور تین ملاقاتوں میں ہم نے ساری باتیں جوڑیں تو پانچ منٹ بھی باتیں نہیں کی ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے —— پھر؟"

"آپ کو تو ابھی یہ بھی اندازہ نہیں کہ میں کون ہوں، کیا ہوں۔ قدرت نے مجھے کس

مقام پر بٹھایا ہے ـــــ میرے شب و روز کیسے گزرتے ہیں ـــــ میرے ان ہاتھوں پر ہر روز کس کس کے نام کی مہندی رچائی جاتی ہے ـــــ کس کس کے پھینکے گئے روپیوں کی جھنکار پر میرے قدم تھرکتے ہیں ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے ابھی تک اپنے آپ کو کھویا نہیں ہے ـــــ لیکن سرکش ہواؤں کے زوردار تھپیڑوں کے آگے کب تک میں اس قندیل کو جلائے رکھ سکوں گی ؟ اس بازار کے خریداروں میں آپ بھی تو نہیں ہوں گے اور پھر یہ تو قانونِ قدرت ہے کہ پھل پک جائے تو اُسے توڑ لیا جاتا ہے ‘‘ اس کے خوب صورت جملوں کی کاٹ سے نواب صاحب سراسیمہ ہوتے جا رہے تھے ـــــ وہ چپ ہوئی تو وہ بھی دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے بازو ہی آ کر ٹِک گئے ۔

" ہم خود مختار ہیں ـــــ ‘‘ وہ اتنا ہی بولے ـــــ اس نے ہلکی سی قاتل مُسکراہٹ سے انہیں دیکھا ۔

" اپنے محل کے بڑے بھی ہم ہیں ـــــ چھوٹے بھی ہم ـــــ ہم اگر تم کو اپنا لے تو ہمیں کون منع کرنے چلا ؟ ‘‘

" آپ نے تو دراصل اس سلسلے میں مجھے بُلوایا تھا ناکہ آپ اپنی شادی کے جشنِ مُبارک کے موقع پر اپنے حلقۂ احباب میں میرا رقص اور سنگیت پیش کرنا چاہتے تھے ـــــ آپ بھول گئے ہوں تو یاد دلا دوں ۔ اگلے مہینے کی ہی کسی تاریخ میں آپ کا عقدِ مسعود منعقد ہوگا اور میں حسبِ وعدہ اس میں ناچوں گی ـــــ آپ کے احباب اور حیدرآباد کے اُمرا اور روٴسا کا دل بہلاؤں گی اور جب سجی سجائی پالکی میں آپ دُلہن کو محل لے آئیں گے اور آپ کے سہرے سے پھولوں کی پتیاں گریں گی ، اور دُلہن کے گجروں سے مَسلی مَسلائی کلیاں ٹوٹیں گی تو میں وہی پتیاں اور وہی مَسلی ہوئی کلیاں سمیٹ کر اپنا دامن بھر لوں گی اور سوچوں گی : یہ رات میرا بھی مقدر ہو سکتی تھی ! ‘‘

نواب شوکت چلائے : " یہ رات میرا بھی مقدّر ہو سکتی تھی ۔ نہیں باوہ ہوگی ۔

ہو گی اور ضرور ہو گی ——"

نواب شوکت کی آواز —— زوردار آواز دوسرے کمرے میں پہنچی تو زمانی بیگم لپکی آئیں —— دروازے پر کھنکار کر اُنہوں نے گلا صاف کیا تاکہ بے ترتیب حالت میں ہوں تو نواب صاحب ذرا سنبھل کر بیٹھ جائیں لیکن وہ خود ہی سنبھلے سنبھلاتے تھے —— البتہ حیا کی آنکھیں خوشی غم اور ناقابلِ یقین خوش آئند واقعات کے احساس سے گیلی گیلی سی تھیں۔

"اے حضور —— میں نے کہا نصیبِ دُشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی —— جی —— نہیں تو —— ہم بالکل اچھے ہیں۔ خُدا کی مہربانی ہے۔ اب ہم چلیں گے ——"

"اے ہے قبلہ —— ابھی آئے ابھی چل دیئے —— ابھی تو رات نے اپنی آنکھیں کھولی ہی ہیں۔ ابھی تو جیسے جیسے رات کی زُلفیں اپنی سیاہی کو گہرا کریں گی، ویسے ویسے چاہتوں کے اُجالے دِلوں کو روشن کریں گے —— پھر رات چڑھ لے تو حضور ٹیلے رات کا راگ اور مالکونس سُنیں یا چاندکولس یا مدھ کونس سُن لیں —— اُترے سُروں کے دِل میں گھر بنانے والے راگ تو سرکار آدھی رات کو ہی سُنے جاتے ہیں۔ اور درد کی وہ لذت بخشتے ہیں کہ آنکھوں تک آئے ہوئے آنسوؤں کو بھی اِنسان دوبارہ دِل میں اُنڈیل لے اور حُضور آنسو بہہ گیا تو دِل صاف اور ہلکا ہو گیا، مزا تو یہی ہے کہ آنسو آنکھ کی بجائے دِل میں کھٹکتا رہے —— کھٹکتا رہے، سارے وجود کو رُلاتا رکھے، مگر آپ نہ بہے ——" وہ اُٹھ کر سازوں والے گدیلے پر جا بیٹھیں۔

"آؤ بیٹی —— نواب صاحب آئیں اور یوں ہی چلے جائیں —— فقیروں کی سوغات تو یہی سُر ہیں۔"

اِس عرصے میں نواب شوکت بار بار آتے اور ہر بار تہی دامن لوٹے —— وہ ہر بار

اطلاع کرواکر آتے ـــــ پہلے خادمِ خاص اُن کا سندیسہ آکر پہنچا جاتا ـــــ پھر سورج ڈھلتے ڈھلتے
ان کی شان دار بگھی بھی چوک پہنچ جاتی ـــــ زمانی بیگم روز کی طرح کلّے ٹھٹے سے سجی بنی، اپنی
ساری قوم کو بھی سجائے بنائے رکھتیں ـــــ حیا کو ٹھیل ٹھال کر جبراً تیار کروانا پڑتا ـــــ اُن کی
ایک بھی ادا تو کم بخت میں نہیں آئی تھی ـــــ اور یہی غم انہیں کھائے جاتا ـــ نہ پہننے اوڑھنے
کا شوق نہ کھانے کھیلنے کا ـــــ نہ مردوں سے آنکھیں لڑانے کا نہ چونچلے دِکھانے کا ۔ اس
عمر میں تو شریفوں کی لڑکیاں بھی پہن اوڑھ کر خلیرے، ممیرے پھپھیرے بھائیوں کو اپنی
چھب چھَل دکھا کر نخرے کر کے دل جیتنا چاہتی ہیں ـــــ یہ رنڈی زادی ہو کر بھی سات
پردوں میں چھُپی بُربُوین کر رہنا چاہتی ہے ـــــ کیا حسن پایا ہے کم بخت نے اور کیا جسم
دیا ہے اس کو مالک نے ـــــ کیا آنکھیں دی ہیں ربّ کریم نے اور نگاہوں کا انداز ؟
نیلی ناگن کے کاٹے کا منتر مِل جاتے ۔ مگر اس کے ایک اندازِ نظر کا مول نہ مِلے ـــــ لیکن
کم بخت نامراد ـــــ نہ سنگھار کرے ، نہ کپڑے لتّے میں دِل چسپی لے ـــ زیور سے تو نگوڑی
کو باپ مارے کا بیر ہے ـــــ ذرا پہنا اوڑھا دوں تو میری اپنی نظر لگنے لگتی ہے، تو مَردوں
کا تو کیا حال ہو جاتے ـــــ لیکن نامُراد کو مذہب کی تعلیم اور ترجمے سے قرآن شریف
پڑھانا ہی حَرام ہو گیا ـــــ رقص نہیں کریں گی کیوں ؟ بدن کھُل جاتا ہے ! ہوں شریف
زادی ! با ـ ـ ت میں مجھی کو اُلٹے طعنے دے گی ـــــ ہونہہ ـــــ شادی کر کے بچّے پیدا
کرے گی ـــــ ہانڈی ڈوئی کرے گی ـــــ اسی لئے نامراد پہ اتنی محنت کی ـــــ نہ دِن کو
دِن سمجھا نہ رات کو رات ـــــ سنگیت پورا کا پورا جتنا میرے اندر تھا سب اس کے اندر انڈیل
دیا ـــــ رقص کی وہ تعلیم دِلوائی کہ چاہے تو اپنے رقص کے بل پر ساری ریاست حیدرآباد
دکن کے مَردوں کو تگنی کا ناچ نچوا دے ـــــ لیکن اڑیل ٹٹو تب نا ـــــ زیادہ جور جبر کروں
تو رونے بیٹھ جاتی ہے ۔ روتے تو موہنہ سُوج کر کھتّھا بن جاتا ہے ۔ پھر موا گاہک آتے تو کیسے
اس کا دِل آئے ـــــ ایسے شاعرانہ مزاج کے لوگ کتنے آتے ہیں جو روتی روتی آنکھوں اور

سوگوار حسن پر اپنا آپ فدا کردیں ـــــ ہو نہہ ـــــ اُس دن نواب صاحب نے راگ شُدھ کلیان سُن کر کیا کیا تعریفیں کی تھیں ـــــ ڈھلتے سورج کی سونا بکھیرتی کرنوں کا جال تھا، اور راگ کِدارا ـــــ ہے ہے نواب شوکت تو جی جی کر مرے اور مَر مَر کر جئے۔ اِن کے لئے بعد میں میں نے یوں ہی اس کا دِل بڑھانے کو کہا کہ دیکھا نواب صاحب کی کیا حالت ہو رہی'' تو اُلٹا مجھی سے کہنے لگی: "ساری زندگی ٹھنڈے پانی کو ترسا ترسا کر آپ نے مجھے مارا ہے سدا گرم پانی پلایا کہ ٹھنڈے پانی سے گلے کی رگیں مرجاتی ہیں اور گانا ٹھیک سے نہیں گایا جاتا۔ آپ کو پتہ ہے آپ نے مجھے خدا وند تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت، ٹھنڈے پانی سے محروم رکھا ہے۔ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرد پانی بے حد عزیز تھا ـــــ کیسی بد نصیب ہوں میں کہ ایسی آسان سُنّت کو بھی نہ اپنا سکی ـــــ''

"اے لو ـــــ ٹھنڈا پانی پلا پلا کر کیا مجھے اس کی جوانی اور اپنا بڑھاپا خوار کرنا تھا ـــــ اب میں کہوں کنکنے پانی میں بھلا کیا بُرائی ہے ـــــ کیا ہم نے نہیں پیا ـــــ لیکن نہیں، وہ تو مجھے رسوا کرنے پر ہر بات میں بس مذہب کو لے دوڑے گی ـــــ اب آج کم بخت ذرا تو ہیر پھیر کرے ـــــ آج یا وہ نہیں یا میں نہیں ـــــ اور اسی تہیہ کے ساتھ وہ اُٹھ کر حیا کے کمرے میں پہنچیں۔

"حیا بیٹی ـــــ'' انھوں نے بڑے دُلار سے اسے مخاطب کیا ـــــ لیکن حیا کو دیکھتے ہی وہ ہک چک رہ گئیں ـــــ آج حیا بارہ ابرن اور سولہ سنگھار کئے دُولہن بنی، جنّت کی شنیدہ حوروں کو شرما رہی تھی۔ ساری زندگی سے مردوں کی رگ رگ کا بھید جاننے والی کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ایک مرد نے اپنا وار چلا دیا ہے ـــــ نتھ اُترنے تک ہر شام کو طوائف زادی کو سنگھار پٹار کے لئے اکسانا اور جتانا پڑتا ہے۔ جب طوائف زادی خود سے آئینے کے سامنے جا بیٹھے تو سمجھو کہ نتھ خطرے میں ہے ـــــ ایک شریف زادی کی طرح، نتھ کی بھی اپنی ایک عزت ہوتی ہے اور اسے عزت کے ساتھ اُتارا جانا چاہیئے۔ نتھ اُترنے کی

عزت یہ ہے کہ ایک موٹی رقم اور تمام جھام کے ساتھ اترے ـــــ یہ نہیں کہ رات کے سناٹے میں دبے ہاتھ بڑھیں، بدن پر سرسرائیں ـــــ سانسوں سے سانسیں ٹکرائیں، جسم کا کورا پن مٹیں اور تہہ جہاں کی تہاں!

زمانی بیگم جہاں دیدہ تھیں ـــــ ایک لفظ بھی نہ بولیں ـــــ بلکہ اپنے انداز سے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ بیٹی کے اس انداز سے بہت خوش ہوئی ہیں، اپنے پیچھے دروازہ بھیڑتی ہوئی دوسری لڑکیوں کے کمرے میں چلی گئیں۔

نواب شوکت آئے ـــــ مدتوں بیٹھے رہے ـــــ چھتّو، دلارن، صابرہ اور جنے کون کون سڑی ماری لڑکیاں، پھوہڑپن سے سجی بدسلیقگی سے سنوری آآ کر بیٹھتی، بیٹھ بیٹھ کر اٹھتی گئیں ـــــ لیکن وہ نہ آئی جس کا انہیں انتظار تھا۔

ادھر حیا ستار کے تار کی طرح تنی بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگوں کے آؤ جاؤ سے اسے اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ نواب صاحب کبھی کے آئے بیٹھے ہیں لیکن کوئی اسے نیوتہ یا سندیسہ دینے نہیں آیا ـــــ کیوں نہیں آیا؟ یہ وہ جان نہ پائی اور لاکھ وہ ہزار جانوں سے نواب صاحب پر فدا ہو چکی تھی وہ یہ کبھی گوارا نہ کر پاتی کہ خود سے بنا بلائے چلی جاتے ـــــ اماں کی تعلیم کو اس نے سدا اس کان سے سن کر اس کان سے اڑایا تھا لیکن محبت کے اس وقار کو تو وہ خود بھی جانتی اور مانتی تھی کہ محبت میں پہل اور پیش قدمی عورت کی طرف سے نہیں ہونی چاہیئے ـــــ اُسے یقین تھا کہ اُدھر نواب صاحب بھی اس کے ملنے بے چین ہو رہے ہوں گے، ـــــ اس کا فن ابھی تک فرش اور مستار تک ہی محدود تھا۔ بستر تک نہیں پہنچا تھا۔ فرش پر ال

وہ رقص دکھاتی ــــ مسند جہاں بیٹھ کر وہ موسیقی کا سحر گھولتی ــــ اٹھارہ سال کی وہ ہو چکی تھی۔
لیکن بستر اکہرا تھا ــــ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کئی ہاتھ اس کی طرف بڑھتے ہیں کہ فرش اور مسند
سے اٹھا کر اسے بستر تک پہنچا دیں ــــ لیکن وہ آج تک اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب رہی
تھی ــــ زمانی بیگم ادھر اپنے حسابوں یہ سمجھتی تھیں کہ میں بٹیا کو سنبھال سنبھال کر رکھ رہی ہوں
اس لئے کہ موٹی گانٹھ دیکھ کر نتھ کا پورا مول لوں گی۔ حالانکہ حیا کو ہنسی بھی آتی تھی۔ لاکھ اپنے
وعظوں اور تجربہ کارانہ اسباق وسیاق کے باوجود اماں شاید یہ بھول جاتی ہیں کہ طوائف کی
دنیا میں وہ عورت ہوتی ہے جو اندھیرے اجالے اکیلے دکیلے کہیں بھی بے دھڑک آ جا سکتی ہے کہ
اسے عزت لٹنے کا ڈر نہیں رہتا ــــ کوئی شریف لڑکی یا عورت اندھیرا پڑتے ہی سرِ راہ جانے
سے ڈرتی جھجکتی ہے کہ کہیں کوئی عزت نہ لوٹ لے ــــ عزت لٹنے سے وہی تو ڈرتا ہے، جس
کے پاس عزت ہو ــــ طوائف کیا اور اس کی عزت ہی کیا ــــ اب اماں جو مجھے زمین میں
گڑے دفینے کی طرح سمجھ کر سانپ بن کر پہرا دیتی رہتی ہیں۔ اگر میں کہیں اپنی عصمت کا موتی کھو آؤں
تو کیا ہوگا؟ یہی نا کہ اماں کو نتھ اترائی کی موٹی رقم نہیں ملے گی۔ چوک میں کوئی زلزلہ نہیں آ جائے
گا ــــ لوگ اپنا کام کاروبار نہیں چھوڑ بیٹھیں گے ــــ دنیا تہہ و بالا نہیں ہو جائے گی۔
میں بھی یہی رہوں گی ــــ کیا میں بدل جاؤں گی؟ اس زندگی میں آخر رکھا ہی کیا ہے ــــ
کب تک یہ عزت سنبھلی رہے گی؟ اور کون بے حس ہوگا جو مجھے خرید لے جائے گا ــــ ایک دم
بے پناہ اس کا جی چاہنے لگا ــــ مجھے کوئی نہ خریدے ــــ مجھے کوئی ایک پائی تک نہ دے
ــــ بس مجھے نواب شوکت بیاہ لے جائیں ــــ چاہے وہ چڑھاوے میں ایک ماشے کا زیور نہ
لائیں ــــ چاہے آڑے ڈنڈے کی کھڑی ڈولی میں بٹھال لے جائیں۔ موٹے جھوٹے سرخ
ململ کا مہنر گھونگھٹ اور سدرے کا جوڑا چوکی کے تھال میں سجا کر لائیں، لیکن اپنی دلہن
بنالیں ــــ
خیالات کی ایک رو تھی کہ اسے بہائے لئے جاتی تھی ــــ اسی سوچ میں پتہ نہیں

کس انجانے جذبے کے تحت اس نے اپنے ماتھے تک اپنا کامدار دوپٹہ کھینچ لیا ـــــ کوئی دیکھتا تو سمجھتا پلنگ پر کوئی دُلہن بیٹھی ہے ـــــ اسی لمحے کسی نے اس کا سچ مچ ہی گھونگھٹ اُٹھا دیا ـــــ اس نے چونک کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے بوکھلا کر سراپا قد کھڑی ہو گئی۔

"آپ یہاں ـــــ ؟" اس کے حیرت زدہ انداز پر نواب شوکت ہنس پڑے۔

"بھئی ہم ہی تو ہیں ـــــ اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے ؟" اس نے ذرا ڈر کر ادھر اُدھر دیکھا ـــــ بولی کچھ نہیں ـــــ نواب شوکت ہنسنے لگے۔ ہنستے ہنستے بولے:

"آپ کے اماں جان سے پوچھ کر ہی ہم یہاں آئے ہیں۔"

حیا سخت حیرت زدہ ہو رہی تھی ـــــ وہاں دیوان خانے میں تو نہیں بلوایا اور یہاں خود سے بھجوا دیا۔

اک دم اس کا خون کھول اُٹھا ـــــ وہ ماں کی چال سمجھ گئی ـــــ اس کمرے میں، اس کے خاص کمرے میں جو اس نے بے حد نفاست سے سجا رکھا تھا جو اس کی نفاست پسند طبیعت اور پاکیزہ فطرت کا مظہر تھا جو سدا خوشبوؤں سے مہکا رہتا تھا ـــــ جس کے بستر پر بے حد سفید جھاگ ایسی چادر اور جھالروں لگے سفید اور ملائم پروں والے تکئے سجے رہتے تھے۔ پائنتی ریشمی سفید دُلائی تہہ کی ہوئی دھری رہتی تھی اور سدا ہر موسم کے پھولوں کے گجرے سرہانے مہکتے رہتے تھے اور پھر وہ تو خود ایک کلی کی طرح نازک اور کلی ہی کی طرح اپنی خوشبو آپ چھپائے اسی بستر پر سجی رہتی تھی۔ یہ سب کچھ یہ سارا ماحول ایک مرد ایک ترسے ہوئے مرد کے لئے کیسا بھرپور بلاوا تھا

اس کے وجود میں چنگاریاں بکھر گئیں: "آج مجھے نہ بلا کر اکیلے میں اماں نے کہیں تنہا اندر دائی کی بات تو نہیں کی ـــــ" اس نے اپنے شک و شبے کی گرد جھٹکنے کی کوشش نہ کی تو نواب صاحب خود ہی بولے:

"تمہارے چہرے پر سوچ بچار کیوں ہے یہ ؟" وہ وہیں، اُس کے اپنے کنوارے

بستر پہ ـــــ اس کے کنوارے جسم کے بے حد قریب بیٹھ چکے تھے ـــــ وہ ذرا پیچھے کھسک کر بولی :

"جی ـــــ نہیں تو۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ـــــ آپ کی تشریف آوری تو میرے لئے خوشی کا باعث بنے گی نہ کہ فکر و تردّد کا ـــــ" وہ جب تک یہ بات کہتی رہی وہ صرف اس کے رَس بھرے ہونٹوں کو دیکھتے رہے ـــــ پھر جیسے ہار کر بولے :

"آپ کے یہ ہونٹاں ـــــ پھر ایسے باتاں ـــــ خُدا نے ہر چیز ـــــ ہر اچھی چیز کیا آپ کو ہی دے دی کیا ؟" وہ بُری جھینپ گئی ـــــ سچے موتیوں کی طرح سچّی شرم کی بھی ایک اپنی آب ہوتی ہے، جو چہرے کو جگمگا دیتی ہے ـــــ اس ایک لمحے میں حیا اس قدر خوب صُورت ہو گئی کہ وہ پاگل ہو گئے ۔

"حیا ـــــ" وہ جذبات سے بہکتی ہوئی آواز میں بولے : "ہم امّی حضور کو بول دئے کی ابھی ایک سال تک شادی کا مت بولو آپ "

حیا اِک دم بولی : "صرف ایک سال ؟ اس کے بعد کیا ہو گا ؟ کیا ایک سال میں آپ مجھ سے اُکتا جائیں گے ؟"

"اوہو ـــــ" نواب صاحب سر پہ ہاتھ مار کر بولے : "ہم کیا کہنا چاہے اور آپ کیا سمجھے ـــــ ہم آپ کو کیوں سال بھر میں چھوڑ دیں گے بھلا ـــــ وہ تو فقط امّی حضور کو ٹالنے کے واسطے بولے ـــــ" وہ اس کے کان کے قریب اپنا مونہہ لاکر بولے :

"ہم تو باقاعدہ آپ سے شادی کریں گے ـــــ"

اچانک کمرے میں زمانی بیگم داخل ہوئیں اور تیزی سے بولیں :

"نواب صاحب شادی وہ کرے جسے اپنی زندگی خوار کرنی ہو۔ کہیں شریف زادوں نے ڈیرے والیوں اور چوک والیوں سے زندگی نباہی ہے ؟ چار دن ہنس بول

لئے پھر تو کدھر ہیں کدھر ـــــ میں جانتی ہوں کہ ایسی شادیاں بھی ہوئی ہیں ـــــ باقاعدہ ہوئی ہیں لیکن مرد کو خدا نے بہت بڑی چھوٹ دے رکھی ہے ـــــ ہے تو چھوٹا سا لفظ ـــــ طلاق ـــــ لیکن اس سے بڑے بڑے معرکے سر کئے جاتے ہیں ـــــ" نواب شوکت حیرت سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ حیا اپنی جگہ الگ خجل ہوئی جارہی تھی۔

"مجھے کوئی تو قانون ایسا بتایئے جس سے آپ میری بیٹی کا ہاتھ تھامیں تو اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اُسے نہ چھوڑیں ـــــ دعوتی رقعوں پر آپ بڑے کرّوفر سے چھپوائیں گے ـــــ" شادیِ خانہ آبادی" لیکن وہ جیسی خانہ بربادی ہوگی میں ابھی سے جانتی ہوں ـــــ آپ کو میری بیٹی پسند آگئی ہے تو سیدھی سی بات کیجئے نا ـــــ یکمشت رقم تھما دیجئے یا ماہانہ یا سالانہ ـــــ ویسے ۔ ۔ ۔ ۔"

"اماں ـــــ" حیا کانوں پر ہاتھ رکھ کر اتنی زور سے چلاّئی کہ نواب شوکت بُری طرح چونک پڑے ـــــ پھر دونوں ہاتھوں سے موہنہ چھپا کر وہ سسک سسک کر رو اُٹھی ـــــ

"اماں بزرگوں سے تو یہی سُنا کہ عورت اور کھانا ہمیشہ ڈھانک کر رکھو ـــــ لیکن اماں آپ نے تو مجھے بالکل ہی کھول کر رکھ دیا ـــــ تھال میں سجا کر پیش کردیا۔ کیا میں ایسی گئی گزری ہوں ـــــ کیا واقعی میری کوئی عزت نہیں ؟" اس کا دُلہن کی طرح سجا ہوا رُوپ رونے اور دل کی جلن کے تپنے سے اور بھی نکھر آیا تھا۔ نواب شوکت کو اسے نظر بھر کر دیکھنا دوبھر ہوگیا ـــــ وہ ایک دم کھڑے ہوگئے ـــــ اُنہوں نے اپنا ہاتھ حیا کے شانے پر رکھا اور بڑے عزم سے بولے :

"ہم آپ کو بیاہ کر لے جائیں گے اور وعدہ کرتے ہیں کہ سدا آپ کو ڈھانک کر رکھیں گے ـــــ"

دھاگے ناتی۔ تا کے دھن نا ــــ چھمن خاں ٹھیکہ لگا رہے تھے ــــ دُلارن اور صنوبر تھرک رہی تھیں ــــ زمانی بیگم نے دیکھا، پھر تج بج ہو کر بولیں: "یہ رقص ہو رہا ہے نگوڑیو ــــ"

سانسوں سانس ہوتی ہوئی لڑکیاں رُک گئیں اور حیرت سے بولیں:

"جی ــــ ؟"

"یہ پیر کیسے پڑ رہے ہیں۔ تمہارے باوا نے کبھی ایسا ناچ نچا تھا؟"

صابرہ جیسے ہار کر بولی: "اماں ہمارے رقص کی تو سارے رجواڑے میں دھوم ہے ــــ"

"اے ایسی دِل میں گھر کرتی گت پر ایسا پھونسڑا رقص؟ دھاگے ناتی۔ تا کے دھن نا۔ دھاگے ناتی۔ تا کے دھن نا۔ آہا ــــ ہا" وہ جھوم کر بولیں "کیا بات ہے تال کہروا کی ــــ دھاگے ناتی۔ تا کے دھن نا ــــ تم موٹی بھینسوں کو تو ایسی لہر بہر گت پر بھی ناچ نہیں سوجھتا ــــ میں تو موئی نبض کی دھک دھک پہ بھی دنیا کو نچا کر رکھ دوں ــــ"

دُلارن پاؤں پسار کر وہیں بیٹھ گئی ــــ "اے سچ اماں ــــ بتایئے نا آپ نے اب تک کتنوں کو نچایا ہے ــــ لگتی تو آپ اب بھی کانٹا ہیں ــــ"

"اب بھی ــــ؟ دیکھو بھئی اس "اب بھی" میں تو ذِلت کا پہلو نکلتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اب وہ بات نہیں رہی لیکن ایسے بھی گئے گزرے نہیں ہو گئے ہم ــــ ایسا ہی ہے تو تم میں سے کوئی لڑکی سُر نکالے ــــ پھر میں بھی نکالوں ــــ بیبیو۔ سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی تو کوئی سڑک چلتا بھی رُک کر بتا دے کہ ہاں سات سُر شدھ ہیں۔ کھرج۔ رکھب۔ گندھار۔ مدھم۔ پنچم۔ دھیوت۔ نکھاد ادرانہی کے چھوٹے۔ بچکانہ پیار کے مختصر نام کہہ لو یہ سارے گا ما پا دھا نی ہیں۔ لیکن کوئی یہ کر کے بتائے اور ایسا سچا سُر

نکالے کہ بہتا پانی رُک جائے ـــــ بجھتا ہوا چراغ دم پکڑ لے ـــــ ارے یہ نہیں تو کم از کم ہوا ساکت ہو جائے ـــــ اب تم سے کیا بتائیں چاند نکلنے پر مسند سنبھال لیتے تھے اور سورج کا مونہہ دکھ جاتا تھا پر نہ سننے والوں کے دل بھرتے تھے نہ گانے والی گانے اور سُر کا حق ہی ادا کر سکتی تھی ـــــ ہائے کیا دن تھے ـــــ ایک تم نکمی مردار نیں ہو اور ایک وہ ہماری بادشاہ زادی ہیں ـــــ کہتی ہیں محفلوں میں گاتے ہوتے شرم آتی ہے۔ وہ تو اب تخلیئے میں بیوی بن کر لجائیں گی۔ شرما شرما کر بیڑے بنا بنا کر میاں کو دیں گی اور انہی کی فرمائش پر میاں کی ملہار گائیں گی ـــــ ہونہہ ـــــ"

"آپ کو یہ سب بُرا لگے گا اماں؟" جانے کب سے حیا پیچھے آکھڑی ہوئی تھی۔ اور ساروں کی باتیں سن رہی تھی ـــــ اس کی دھیمی آواز پر زمانی بیگم نے پلٹ کر دیکھا بولیں تو یہ بولیں:

"تمہیں تو اچھا لگتا ہے نا ـــــ بس ٹھیک ہے اور سنو تم نہاری تہیں، تمہاری سسرال سے سندیسہ آیا تھا۔ تمہارے میاں آرہے ہیں ـــــ" انہوں نے لہجے کا زہر سارا کا سارا "تمہارے میاں" میں گھول کر کہا۔

ادھر کی رات اُدھر ڈھل گئی۔ چاند پھیکا پڑ گیا ـــــ تارے سفیدی مائل ہو کر نور کھونے لگے۔ لیکن نواب شوکت کی آنکھیں اُس چاند کا طواف کرتے نہ تھکیں جو جگمگاہٹ میں آسمان کے چاند کو بھی نیچا دکھانے پر تلا ہوا تھا۔

"ہم کتنے بار تمہارے گھر آچکے ہیں حیا۔ تم ہمارے محل میں کبھی تو آؤ۔"

"آپ کے محل کا زینہ چڑھ تو جاؤں گی، مگر دوبارہ پستی کو گلے نہ لگا پاؤں گی۔" نواب صاحب اُسے مسکرا کر دیکھنے لگے تو وہ کہنے لگی:

"اتنی بلندی عطا کرنے کے بعد پستی کی راہ نہ دکھائیے گا، جو دل ایک بار کھول رہے ہیں

اُسے میرے داخل ہوتے ہی بند کر دیجئے گا تاکہ نکلنے کی کوئی راہ میرے لئے باقی نہ رہے۔"

"کیا ہماری بات پر تم کو یقین نہیں ہے حیا؟"

"آپ کی بات پر یقین کیسے نہ کروں گی ——— لیکن نواب شوکت میری زندگی تو ایک شیشہ ہے جو چٹخ گیا تو میرے اپنے ہی دو چہرے ہو جائیں گے ——— آپ کون سے چہرے کا اعتبار کریں گے؟" ایک دم نواب صاحب اُٹھ کر کھڑے ہوتے۔ بولے:

"واقعی ہم یہ بار بار کے آنے جانے میں ہی رہ گئے ہیں ——— بس اتنا بھی نہیں خیال کرے کی آخر آپ کے اماں جان کو شادی کی تیاری کے واسطے کچھ رقم دینا چاہیئے ———"

وہ اُٹھ کر دوسرے کمرے کو چل دیے ——— حیا نے سخت ذلت محسوس کی۔" یہ کن گھرانوں میں ہوتا ہے کہ لڑکی کے دان دہیز کے لئے خود لڑکے والے ہی رقمیں دیتے پھریں۔" وہ اپنے آپ ہی سوچتی، اُلجھتی، کسمساتی رہی۔

دوسرے دن زمانی بیگم نے بڑی خوشی سے سرگوشی میں بتایا کہ نواب صاحب اتنے اُتنے بھی نہیں پورے پچاس ہزار روپے اس کی شادی کے سلسلے میں بھجواتے ہیں ——— اُن کی سانسیں مارے جوش اور خوشی کے اُتھل پتھل ہوئی جا رہی تھیں ——— زندگی میں اتنی بڑی رقم اُنہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی ——— دیکھنے کا کیا سوال تھا سوچی تک بھی نہ تھی ——— وہ تو تیرے میرے سے صرف تھوڑا اُترواتی کے ہی زیادہ سے زیادہ بیس ہزار طے کرنے پر تلی ہوئی تھیں ———

ایک عجیب چمک دار خیال اُن کے ذہن میں طلوع ہوا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ نواب صاحب بٹیا کو بھلے بیاہ کر ہی سہی، لے تو جائیں لیکن چند روز بعد دل سے اُتر جاتے تو یہیں پھینک جائیں ——— یہ پچاس ہزار تو مل ہی گئے ——— پھر تو جب تک بٹیا کی جوانی باقی ہے۔ راتیں آباد ہیں، اور تجوری سہاگن کی طرح لدی پھندی ہے ——— اے اللہ ایسا ہی ہو ——— نواب صاحب کے دل پر سے بٹیا اُتر جاتے ——— شادی کر کے لے بھی جائیں گے تو برابری

کا درجہ تو دیں گے نہیں ـــــ لے لاکھ گدھے کو گھوڑوں کے اصطبل میں باندھ دو، رہے گا تو وہ گدھا ہی ـــــ اس نامُراد کو محل کی خاندانی بیبیوں میں لے جا کر بٹھال بھی دیں گے تو رہے گی تو وہ بازاری اور طوائف زادی ہی ـــــ وہ عزت کہاں سے ملے گی ـــــ اور میں اپنا اتنا کنبہ لے کر کہاں بھلا محلوں میں بٹھائی جاؤں گی ـــــ ہم جیسیوں سے زیادہ سے زیادہ باہر ہی بیٹھکے آباد ہوتے ہیں ـــــ گھر والی بننا کہاں ہم کو ٹھے ڈیرے والیوں کے نصیب میں۔

ماں کی دُعائیں خدا نے واقعی اثر رکھا ہے کہ قبولیت کا درجہ جلدی پالیتی ہیں۔

اُس دِن جمعرات کو زمانی بیگم حسبِ دستور اپنی لڑکیوں کی پلٹن کے ساتھ درگاہ شریف جارہی تھیں ـــــ حیا نہا کر اُٹھی تو جی کمنا سا ہو رہا تھا ـــــ زمانی بیگم نے دیکھا کہ مونہہ سُرخ ہو رہا ہے۔ لٹوں لٹوں موتی موتی پانی ٹوٹ رہا ہے ـــــ سوچا ایسے بھیگے بالوں سے بخار میں کہاں لئے لئے پھروں، ایسا ہی ہے تو اگلی جمعرات کو چلی جائے گی۔ اسے منع کر دیا۔

باہر جاتے ہوئے نہ کوئی زیور سنگھار ٹپا نہیں کرتی تھیں ـــــ گلے سے تُستی ہاتھوں سے پہونچیاں اُتار کر بیٹی کے گلے، ہاتھوں میں ڈالیں، وہ ناں ناں کرتی ہی رہی۔ کہا" اب کہاں ٹیا صندوقچی کھول کر قفل چابی کرتی بیٹھوں": لگے لگے پیروں سے پاؤں زیب بھی اُتار کر اس کے موم جیسے پیروں میں ڈال دئے ـــــ اب بڑھاپا آیا تھا تب سے بجائے بھاری پیتل کے گھنگروؤں کی جوڑیوں کے، یہی چاندی کے ہلکے وزن کے لیکن بجنے والے ریشمی گھنگرو والے پازیب، لڑکیوں کو رقص سکھاتے وقت پہن لیا کرتی تھیں ـــــ حیا آئینا نہ اُٹھا۔ گھر میں زیور پہنتی ہی نہ تھی ـــــ یوں گوندنی کی طرح لدگئی تو بے تحاشہ آئینہ یاد آیا۔ جھنجھوڑتے زبردستی آنکھوں میں کاجل بھر دیا تھا، اور لالی کی اُنگلی ہونٹوں پر پھیر دی تھی ـــــ موتی برساتے لانبے گھنے بال کُھلے پڑے پیٹھ پر، آگے پیچھے ہر طرف جھول رہے تھے ـــــ آب رواں کا دوپٹہ بتی بنا گردن میں سے سرا، ہاتھا ـــــ کمر پر کسا ہُوا کرتا تھا گلابی رنگ کا۔ اسی رنگ کا تنگ پاجامہ ـــــ پنڈلیوں کی ایمانداراتہ پیمائش تباتا ہوا گیلے جسم پر تنگ پاجامہ کس قیامت سے

چڑھتا ہے ـــــ غرارہ شلوار ہو تو کوئی بات نہیں ـــــ ڈھیلے ڈھالے سرسراتے پائنچے یوں آنکھ جھپکتے میں چڑھ جاتے ہیں۔ چست پاجامہ اتنی ورزش کرواتا ہے کہ گالوں پر خون موجیں مارنے لگتا ہے ـــــ دہکتے ہوئے لال سُرخ گال جن کے اوپر کاجل بھری آنکھیں ہوتی ہیں ـــــ بیچ میں تیکھی سی ناک ہوتی ہے جس میں ننھی سی ننھی جھلملاتی رہتی ہے، اور اس کے عین نیچے دو سُرخ سُرخ ہونٹ ہوتے ہیں جو اپنی جگہ خود ہی قیامت ہوتے ہیں ـــــ لیکن محض لالی کی ایک انگلی پھیر کر دو آتشہ بنادیے جاتے ہیں ـــــ اور پھر مائیں ہوتی ہیں جو قفل، چابی اور تجوری کے عذاب سے بچنے کی خاطر یوں زیوروں سے لاد کر قیامت کو بہت پہلے ـــــ یعنی قیامت سے بہت ـ بہت ـ بہت پہلے ہی قیامت برپا کرجاتی ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر وہ لمحہ ـــــ وہ لمحۂ تنہائی، جو آدم اور حوّا کو کبھی جنت میں میسّر نہ آتا تو نسل نہ بڑھتی، دُنیا نہ چلتی اور یوں ایک اور کہانی وجود میں نہ آتی۔

جس کمرے میں حوّا تنہا کھڑی ہوئی تھی ـــــ آدم بھی اُسی لمحے آپہنچا ـــــ تو اب شوکت یہ تو جانتے اور مانتے تھے کہ حیا بے حد حسین لڑکی ہے ـــــ بہت ہی خوبصورت بلا ہے۔ لیکن آج ان کا جی چاہا کہ کاش یہ بلا اُن سے چمٹ جاتے۔ اور بلا اگر اتنی مہربان نہیں تو وہ خود بلا کے گلے کا ہار بن جائیں۔

وہ ناں ناں کرتی رہی ـــــ منتیں کرتی رہی، سسکیاں بھرتی رہی اور وہ آنسوؤں اور لذتوں کے سمندر میں ڈوبتے، اُبھرتے پار اُتر گئے۔

پہلی رات کی بیاہی ہو۔ جذبات کی ماری کنواری ہو، گناہوں کے دلدل میں پھنسی طوائف ہو یا کوئی سی عورت ہو۔ پلنگ کی پٹی سے لگی شرماتی بیاہی، خدا سے ڈرتی کنواری پیسے گنتی طوائف یا سسرالیوں سے جھینپتی جھنجھلاتی ہو۔ عورت کو کوئی نہ کوئی وسوسہ، سیراب ہونے پر بھی پیاسا رکھتا ہے اور وہ یونہی پلنگ کے آس پاس یا کمرے میں ڈولتی پھرتی ہے۔ لیکن

اطمینان سے پار اُترنے والا مرد سیدھا نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور اس وقت بھی یہی ہوا جو دُنیا بھر کے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے ـــــ نواب صاحب گھُر گھُر کرتے ایک مطمئن بلّے کی طرح سو رہے تھے اور حبیبؔ گھٹنوں میں مونہہ چھپائے اپنے آپ سے چھُپ رہی تھی۔

"یہ کیا ہو گیا میرے خدا ؟"

"یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا"

"میری ساری ریاضت، عبادت ایک ہی ریلے میں بہہ گئی۔

"عورت کو تو نے اتنا کمزور کیوں بنایا ؟ میں نے کتنا اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی ـــــ لیکن ؟ اُس نے پاس سوتے ہوتے نواب شوکت کو نظر بھر کر دیکھا ـــــ لمبا، چوڑا تنومند جسم۔ سُرخ و سفید رنگ۔ بڑی بڑی سیاہ مونچھیں۔ سر پر چھنڈ دلے بال، نہ سیدھی مانگ نہ ٹیڑھی مانگ، لہر لہر بال اُلٹے جاتے ہوتے۔ پھر اُن کے مضبوط ہاتھ اور سُرخ و سفید لانبی لانبی اُنگلیاں، انگوٹھیوں سے سجی ہوئی۔ وہ جیسے جیسے اپنے آپ کو چھڑاتی جاتے، وہ انگوٹھیوں سے سجی مضبوط اُنگلیاں اسے بے بس کئے جائیں۔ ایسے کسائی میں کئے جانے کے بعد وہ کیسے اپنے بیچ چھڑا پاتی ؟ دُکھ اور ذلّت کی ایک لہر اُسے یہاں سے وہاں تک بھگو گئی ـــــ آخر طوائف کی طوائف ہی رہی نا ـــــ سہرے، توروں، باجے گاجوں، مہندی مائیوں، چڑھاوے، مونہہ دکھائیوں اور نکاح کے بولوں کے ساتھ دُلہن بننا کہاں نصیب ہوا آخر ـــــ ؟ وہی ہوا جو تجھ ایسیوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے ـــــ وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

یہ شخص تو مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کر گیا تھا نا ؟ آج اسی نے میرا انگ انگ کھول دیا ! اسے وہ سب کچھ مل چکا ہے جو کوئی بھی بیاہتا دُلہن اپنے دُولہے کو پہلی رات دیتی ہے ـــــ اب اگر یہ مجھے ٹھوکر مار کر بھی چلا جائے تو میں اس کا کیا بگاڑ لوں گی ؟

اس نے سسکی لے کر سرہانے لگے آئینے میں اپنا انار انار چہرہ دیکھا —— نتھنی بدستور ناک میں جھلملا رہی تھی۔

زمانی بیگم کے درگاہ شریف سے آتے آتے یہاں مطلع صاف ہو چکا تھا نواب شوکت موہنہ پر پانی کے چھپاکے مار، پہلے سے کہیں زیادہ تازہ اور جوان بن کر جاتے جاتے ایک بار اور اسے بھرپور کساوے میں کس کر اور ہونٹوں کی آخری سرخ بوند تک نچوڑ کر ہوا ہو چکے تھے —— حیا گھبرائی گھبرائی سی جُغل خور چادر کو حمام میں پھینک، بے ترتیب بستر کو پھر سے ترتیب دے، پھر سے حمام میں گھس گئی —— نہا کر نکلی تھی کہ عین اسی وقت ماں کی شکرام آکر دروازے سے لگی —— گئی تھیں تو لٹیں موتی رول رہی تھیں —— آئی ہیں تب بھی زُلفیں یونہی موتی بین رہی ہیں! وہ چونک گئیں —— یہ دو دو بار بلا ضرورت کے غسل کیسے؟ کمرے میں آکر بستر کو دیکھا —— پھر بیٹی کو دیکھا جو بار مونیم سے شغف نہ ہونے پر بھی سُر جگاتی بیٹھی ہے۔

"بٹیا تبرک تو لے لو ——" انہوں نے نُقل داتوں اور عُودی کی پُڑیا ہاتھ بڑھا کر اسے دکھائی، لیکن خود آگے نہ بڑھیں کہ وہ خود ہی چل کر آتے اور ڈگمگ چال سارے سربستہ راز کھول کر رکھ دیتے۔

حیا کانپتی، جھجکتی آگے بڑھی۔ ایک قدم۔ دو قدم۔ تین قدم۔

"بیٹی ——،" انہوں نے انتہائی اطمینان سے کہا: "ایک مرتبہ بند قبا کھل جائے تو پھر نیک زندگی کے دروازے آپ ہی آپ بند ہو جاتے ہیں وہ بھی ہمیشہ کے لئے ——!"

انہوں نے جو کہا، حیا تو سمجھی ہی —— لیکن حیا کی چال نے اُن سے جو کچھ کہا وہ اُن کے ایک جملے سے ظاہر تھا۔

بڑی سخت حیرت کی بات یہ تھی ـــــ یا کم سے کم زمانی بیگم کو بے حد حیرت تھی کہ نواب شوکت نے باغبانی کر لینے کے بعد بھی کیاری سے موںہہ نہ موڑا ـــــ آنا جانا لگا ہی رہا ـــــ وہ اسی ذوق و شوق سے آتے ـــــ اسی لگن سے حیا پر واری بلہاری جاتے۔ وہی تحفے تحائف کی برسات، وہی نگاہوں سے موتیوں کے چڑھاوے ـــــ وہی ہونٹوں سے مسکراہٹوں کی سوغاتیں ـــــ سب کچھ وہی تھا ـــــ ان کی وہی خاطرداریاں تھیں لیکن لگتا تھا، کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ کھو ضرور گیا ہے۔

اور یہ کچھ جو کھو گیا تھا، حیا نے پا لیا ـــــ وہ بات یہ تھی کہ اب نواب شوکت نے پچاس ہزار روپے چکنے کے باوجود شادی کی بات اٹھائی ہی نہیں ـــــ اماں کو کیا غرض پڑی تھی کہ موںہہ سے پھوٹتیں ـــــ ان کے تو دِل کی مراد پوری ہو گئی تھی۔ نواب شوکت تو جیسے اس داستان کو یاد نہ کیا رکھتے، وہ تو موضوع تک بھول گئے تھے ـــــ رہی حیا وہ کیسے اپنے مونہہ سے یہ کہہ دیتی کہ "آخر آپ مجھے بیاہ کر کب لے جائیں گے؟ اور جو کہہ بھی دیتی اور وہ موںہہ پھوڑ کر کہہ دیتے کہ بی بی تم سے جو موتی لینا تھا وہ تو لے چکے اب خالی سیپ لے جا کر کیا کرنا ـــــ تو وہ کیا کر لیتی؟

اور اس دِن حیا نے جانا کہ انسان کتنا سخت جان ہے ـــــ لوگ کتنی مشکل سے مرتے ہیں ـــــ وہ تو مری بھی نہیں ـــــ نہ کانوں نے قوتِ سماعت کھوئی، نہ آنکھوں نے ذرّتِ بصارت کھوئی ـــــ حواس بھی اپنے حواسوں میں رہے، دِل کم بخت ایک لمحے کو ضرور اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا تھا ـــــ نواب شوکت جب زمانی بیگم سے کہہ رہے تھے۔

"آپ کی آواز میں آج بھی وہ جادو ہے کی چلتی ناری رک جاتا۔ آپ کیوں نہیں گاتے؟"

زمانی بیگم ہنس کر انکساری سے بولیں :

" اے حضور ہمارا کیا ہے ـــــ منہدم عمارت ہیں ـــــ یہ اور بات ہے کہ لیس کھو پا تھاپی اور لیپا پوتی سے کام چل جاتا ہے "

" نئیں نئیں۔ ایسی بھی کیا بات ہے ـــــ منگنی کی تخـریب میں آپ کو بھی گانا پڑے گا ـــــ ہور حیا تو ناچیں گی ہی۔ ہے کی نئیں ـــــ " وہ ہنس کر باری باری دونوں کو دیکھا کئے۔

منہدم عمارتوں پر بجلی گرے یا طوفان ٹوٹے وہ متاثر نہیں ہوتیں ـــــ ہرے بھرے آشیاں پر تو تیز ہوا کا جھونکا بھی قیامت ڈھا دیتا ہے ـــــ زمانی بیگم نے تو یونہی نظر اُٹھا کر بٹیا کو دیکھا لیکن حیا کی تو یہاں سے وہاں تک ساری فصل سوکھے کی نذر ہوگئی ـــــ وہ بیٹھی نہ ہوتی تو گر جاتی ـــــ بے حد اطمینان سے زمانی بیگم نے پوچھا :

"منگنی کی تقریب میں ہی بلوایئے گا بس ـــــ اور حضور کی شادی خانہ آبادی کے جشنِ مبارک میں ؟" بڑی سادگی اور بھولپن سے وہ بولے :

" اپنی حضور کی خوشی ہے کہ پہلے منگنی دھوم دھام سے کرنا۔ اس کے بعد شادی ـــــ آپ لوگاں کو ئی بھلانے کی چیز ہیں کیا "

جن نظروں سے حیا نے نواب شوکت کو دیکھا ہے ان نظروں نے کس سے کوئی چیز زمانی بیگم کے سینے میں توڑ کر رکھ دی ـــــ آخر کو ماں تھیں۔ گبڑی گبڑی ہو کے اٹھیں اور اپنے کمرے میں جا کر بستر پہ اوندھے موہنہ گر پڑیں ـــــ آنسو نہ نکل جائیں، اس لئے مسکرا مسکرا کر سوچنے لگیں کہ نواب صاحب کی منگنی پر کون سا سہرا زیادہ سہائے گا ـــــ آخر منگنی پر بھی تو دولہا بناتے ہیں۔ تو پھر "بنا" بنے تو سہرا گانے میں کیا حرج ہے۔ شادی کے دن پھر دولہا بنا بنے گا۔ پھر سے سہرے گا لوں گی۔

" مرد کتنی ہی بار دولہا بنے، نیا کا نیا رہتا ہے اور عورت ـــــ " انہوں نے آہ

پھر کر سوچا "ایک بار جو دُلہن بنتی ہے، پھلے تنہائی میں بن جاتے، جو نُور ایک بار اُترتا ہے پھر مر کر بھی وہ نُور نہیں اُترتا۔"

اِدھر یالا ماری ہوئی ٹہنی سے نواب شوکت بولے:

"تم شکر یہ کو کر دیتا ——— تمہارا عقد ہم کسی اچھے شریف آدمی سے کر دیں گے ——— کیوں کی تم کو دُلہن بن کر بیاہ ہنے کا بہت ارمان ہے نا!"

"وہ شریف آدمی تو آپ بھی ہو سکتے تھے نواب صاحب ———" اس کا دِل بولا۔ مگر ہونٹ خاموش ہی رہے ———

"تم ہماری بات کو پسند نہیں کرے شاید ———"

بڑے ضبط کے ساتھ وہ بولی:

"اور عورتوں کے دِل کا تو مجھے پتہ نہیں ——— لیکن میں نے اپنے دِل کی گزرگاہ کو بس اتنا ہی کشادہ رکھا تھا کہ اس میں سے دو قدم گزر سکیں ——— آپ اس میں داخل ہو گئے اور میں نے وہ گزرگاہ ہی بند کر دی ——— آپ تو بڑے خوش نصیب تھے نواب صاحب کہ ایسی محفل میں قدم رنجہ ہوتے جہاں آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی نہیں آیا۔ لیکن میں" وہ سِسک کر رو پڑی ——— میں کتنی بد نصیب تھی کہ آپ کے دِل کی دہلیز تک ہی پہنچ پائی ——— داخلہ میرے لئے ممنوع تھا ———" ماحول کا سناٹا جان لیوا ہو گیا تو محض بات رکھنے کی خاطر انہوں نے بات کی:

"اصل میں امّی حضور اپنی بھتیجی سے ہماری شادی کی بات پکّی کر چکے تھے نا، اس واسطے . . . . . . "

"نواب صاحب ———" وہ رہ رہ کر ٹوٹتی آواز میں بولی: "کچھ عورتیں کچھ مردوں سے تھوڑی سی محبت کرتی ہیں ——— بہت ساری عورتیں بہت سے مردوں سے بہت سی محبت کرتی ہیں ——— لیکن جیسی محبت میں نے آپ سے کی ——— سوچتی ہوں دُنیا کی پہلی

اور آخری عورت بس میں تھی جو ایسی محبت کر سکی —— شاید کاتبِ تقدیر نے لفظ محبت لکھ کر قلم کی نوک میرے ہی دِل میں توڑ دی تھی - اس کے بعد —— اس کے بعد پھر یہ لفظ کبھی لکھا گیا —— نہ شاید لکھا جائے ——''

وہ چلنے کو ہوئے تو آنکھوں میں ایک ساتھ آنسوؤں کے تارے اور مسکراہٹوں کی دھوپ لئے وہ بول اُٹھی :

"آپ کی منگنی کی تقریب اور شادی خانہ آبادی کے جشنِ مبارک پر میں ضرور آؤں گی۔ اور ناچوں گی بھی اور گاؤں گی بھی - اپنے محبوب کے لئے کیا میں اتنا بھی نہیں کر سکتی ؟''

لیکن منگنی کی تقریب آتے آتے حیا کی متلی اور اُلٹیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا —— آنسوؤں کا سلسلہ تو مدت سے شروع ہو چکا ہے۔

ایک پیالے میں کچے پپیتے کا عرق —— دوسرے میں گُڑ، زعفران، قلمی، لونگ، گول سیاہ مرچ کا کاڑھا لئے زمانی بیگم اس کے سرہانے کھڑی تھیں۔ —— "لے نامُراد —— ایک ایک کر کے دونوں پیالے چڑھا لے اور اس بے مروت اور ظالم کی ہر یاد اور نشانی پیٹ سے اور دِل سے نکال دے ——'' دھواں دھواں چہرہ اُٹھا کر بیٹی نے ماں کو دیکھا -

"آپ بھی اماں یہی سمجھتی ہیں —— آپ بھی اماں ——'' زمانی بیگم نے منہ پھیر لیا۔ نو مہینے پیٹ میں رکھنا آسان —— کڑے درد سہہ کر پیدا کر لینا وہ بھی آسان۔ لیکن یہ نظر، ایسی نظر ؟ یہ نہیں سہی جاتی میرے مولا —— ماں پن کی سب سے کڑی منزل یہی ہے اولاد کا دُکھ۔ وہ بڑے رسان سے، دُکھوں سے ٹوٹے لہجے میں بولی :

"اماں —— میں اپنا بچہ ضائع نہیں کروں گی ——'' وہ اوپری دِل سے غصہ ہوئیں۔

"کم بخت —— اب تیرا مذہب —— تیری تعلیم —— تیرے وعظ —— تیرے

دلائل کہاں گئے ـــــ زنا کر کے بیٹھی ہے۔ پتہ ہے مذہب میں زنا کی سزا کیا ہے؟ اس کی کوئی معافی بھی نہیں ہے ـــــ"

"جانتی ہوں اماں ـــــ بہت نہیں جانتی مگر تھوڑا بہت تو ضرور جانتی ہوں زنا کی سزا سنگ ساری ہے ـــــ ہے نا؟ اب ساری زندگی مقدر مجھ پر سنگ باری کرے گا ـــــ سزا تو مجھے بہر حال مل گئی نا ـــــ خدا بھی تو دو سزائیں ایک گنہگار پر جمع نہیں کرتا۔ پھر آپ یہ پیالے پلا کر مجھے کیوں اس جنت سے محروم کرنا چاہتی ہیں جو زندگی بھر کی سنگ ساری کے صلے میں میرے قدموں تلے تعمیر ہو گی ـــــ نہیں اماں نہیں ـــــ زندگی بھر آپ سے کچھ نہیں مانگا ـــــ بڑی صابر بیٹی اللہ نے آپ کو عطا کی ہے ـــــ آج وہ صابر بیٹی بھکارن اور ندیدی بن کر ماتا کی۔ کوکھ کی بھیک مانگتی ہے ـــــ اماں میری محبت کی نشانی مت مٹایئے۔ میری اماں ـــــ میری اچھی، میری پیاری اماں"!

مدت گزرنے پر حیا نے ایک گڑیا سی خوب صورت بیٹی کو جنم دیا اور جس دن وہ چلہ نہا کر اٹھی ہے، اسی دن نواب شوکت کی شادی پڑی۔

زمانی بیگم ہاں ہاں کرتی رہ گئیں ـــــ اور حیا نے جو سدا سنگھار پٹار زر زیور سے دور بھاگتی تھی ـــــ روایتی دلہنوں اور سہاگنوں سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو سجایا سنوارا۔

"اری نامراد کچی زچہ ہے ـــــ چھوڑ کس کم بخت کے پھیر میں پڑی ہے۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں گے ـــــ زندگی بھر اپاہج بن کر رہ جائے گی، لیکن حیا آج کوئی بات سننے کی روادار نہیں تھی۔

وہی شان دار ہال تھا ـــــ وہی سلیقہ وہی قرینہ ـــــ لیکن آج اس دن سے بھی سوا سجاوٹ تھی، اور مہمانوں کا جم غفیر ـــــ بھرے تیوروں اور بدھیوں میں شرمے شرمائے

دتی سے موتہہ چھپائے ـــــ خوشبوؤں میں بسے دولہا میاں نواب شوکت زرکار مسند پر براجمان تھے ـــــ برابر میں چھوٹے سالے سالیاں آزو بازو دوست احباب ـــــ زنانے میں الگ ہلور مچی ہوئی تھی ـــــ چلمنوں کے پیچھے سے مہمان بیبیاں ایک پہ ایک ٹوٹی پڑ رہی تھیں ـــــ دلہن کو وہیں ایک مسند پر لاکر بٹھا دیا گیا تھا ـــــ حیا کی نظریں بار بار چلمن سے الجھتیں ۔ پھر وہ اپنا آپ سنبھال لیتی ـــــ آخر سینے میں رکتے دھڑکتے دل کو تھام کر اس نے ماں کو اشارہ کیا اور گویا ہوئی :

" اماں ـــــ آج میں تال آڑا چوتالہ پہ ناچوں گی ـــــ "، زمانی بیگم نے ہول کر اسے دیکھا ـــــ

" تال آڑا چوتالہ ـــــ ؟ بیٹی پاگل ہوئی ہو ـــــ چودہ ماتروں کا ٹھیکہ ہے ، سنبھال نہ پاؤ گی ـــــ "

وہ چلائی : " نہیں اماں ـــــ آج یہی رقص ہوگا "

" مشکل ہے بیٹی ـــــ "

" اماں آپ تو نفس کی دھک دھک میں بھی لے اور تال پیدا کرتی آئی ہیں ـــــ آج دل کی تال پہ بیٹی کو آزمائیے ـــــ میں ناچوں گی اماں ـــــ آپ گت شروع کیجیے "

" چھمن خاں ـــــ "، زمانی بیگم نے اشارہ کیا : شروع کیجیے تال آڑا چوتالہ ـــــ اور انہوں نے تالی بجانے کے لئے چوڑیاں پیچھے کھسکانی شروع کیں : " بہتر بی بی " چھمن خاں سعادت مندی سے بولے اور شروع ہو گئے ۔

دھن ۔ تت کٹ دھن دھن نا نا کت تا تٹ کٹ دھن دھن دھا گے نا دھا

تٹ کٹ دھن ـــــ

ساتھ ہی گھنگرو چھن چھنائے اور جیسے پانی پر بہتی ، گھمیریاں ڈالتی ـــــ بل کھاتی ، لچکتی ، تیرتی ، ڈولتی ۔ سامعین کو سحر زدہ کرتی وہ دنیا و مافیہا سے خود بھی بے خبر ہوتی گئی ۔

پہلے اس کا ایک بالا گرا ــــ کچھ ہوش اور کچھ بے ہوشی کے عالم میں اسے وہ خوب صورت واردات یاد آئی جو رنگین بھی تھی اور سنگین بھی جب اس کا ایک بالا ان کے جگمگاتے بٹنوں کی زنجیر سے اُلجھ گیا تھا ــــ پھر دو مضبوط ہاتھوں نے دوسرا بالا بھی اُتار لیا تھا ــــ پھر وہ خوب صورت، زندگی بھر ساتھ دینے کا وعدہ کرنے والے ہاتھ، دھیرے دھیرے اس کے کنوارے جسم کے نشیب و فراز پر سرسرائے تھے ــــ ہونٹوں نے دھیمی دھیمی محبت بھری سرگوشیاں کی تھیں ــــ آج وہ ہاتھ ــــ وہ خوب صورت ہاتھ اور مضبوط ہاتھ وہی سرگوشیاں دُہرائیں گے ــــ ہاتھ وہی ہیں، ہاتھوں کی گرفت میں آنے والا چہرہ بدل گیا ہے۔

رقص کی لَے اور تیز ہوئی ــــ اس کے گلے کی مالا ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی ــــ

اسے پھر سے وہ جان لیوا گھڑی یاد آگئی ــــ اماں کی لسّی کی دیکھتے ہی دیکھتے گیتاں بن گئی تھیں ــــ دھیرے دھیرے لذّت سے بھرے ہاتھ اس کے سراپے پہ رینگے اور مدھم سی سرگوشی: "آج یہ جسم ہمارا ہے ــــ اس پر کوئی زیور نہیں رہے گا ــــ زیور تمہارے بدن کو چھوئیں؟ نہیں ہمیں زیوروں سے حسد ہوتا ہے ــــ" اور ایک ایک کرکے سارے زیور جلا وطن یا جلا بدن کر دئے گئے تھے ــــ آج ہاتھ وہی ہوں گے لیکن ایک اور بدن ہوگا جس کے روئیں روئیں سے بھی یہی الفاظ دہرائے جائیں گے۔

پھر وہ اتنا تیز ناچی ــــ اتنا تیز ناچی کہ گھنگرو ایک ایک کرکے ٹوٹ گئے، اور تال کا آخری چکر جب ختم ہوا تو سارے ہال میں ایک ایسا سناٹا تھا جیسے وہاں کوئی ذی ہوش تھا ہی نہیں۔

وہ یوں ہی سر نیہوڑائے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی ــــ اس نے کب رقص ختم کیا تھا وہ خود سے گری تھی یا اُسے کسی نے تھام کر یوں بٹھا دیا تھا۔ وہ ہر بات سے بے خبر تھی ــــ صرف ایک بات کا اسے علم تھا کہ یہ رات ــــ آج کی رات ــــ آج کی سہاگ رات۔ جو اس کی زندگی میں آنے والی تھی، کسی اور کے حساب میں لکھ دی گئی ہے ــــ قسامِ ازل

یہ تیری کیسی بھول ہے ؟

داد و تحسین کا یہ عجیب انداز تھا کہ نہ کسی نے تالیاں بجائی تھیں نہ کسی نے واہ وا کی تھی ـــــ بس ہر طرف سانسوں کا سناٹا تھا ـــــ اُس نے بڑی مشکل سے نگاہیں اٹھا کر دُولہا کی جانب دیکھا۔

"میری سہاگ رات ایسا قرض ہے جو تم کبھی ادا نہ کر سکو گے نواب"

ایک دم کسی نے تعریف کے جذبے سے چور ہو کر کہا" ارے موہنہ کیا دیکھتے جی۔ حیا ڈومنی کو اشرفیوں سے چھپا دیو ـــــ کیا ناچی ہے کی واہ ـــــ پاتر ہو تو ایسی ـــــ ابھی تک تو دِل شیشہ ہی تھا ـــــ اس وار سے کرچی کرچی ہو کر سارے بدن میں بکھر گیا ریزہ ریزہ ہو گیا ـــــ اس نے ڈوبتی نگاہوں سے نواب دولہا کی طرف دیکھا۔

"اگر تم سہارا دے دیتے تو میں محل کی عزت بن جاتی۔ آج تم نے ہاتھ چھوڑ دیا تو میں بازار کی چیز بن گئی ـــــ ڈومنی! سچ تو ہے ـــــ میری یہی اوقات ہے یہی رہے گی ـــــ" وہ محل کے شور شرابے کو خواب کے سے عالم میں دیکھتی رہی، جیسے اس کی اپنی آنکھیں نہ ہوں۔ کسی اور کی ہوں۔

پھر محفل اُکھڑنے لگی کہ دولہا میاں زنانے میں بلائے جا رہے تھے ـــــ وہاں آمنے سامنے دُولہا دُولہن بٹھائے جائیں گے ـــــ رُونمائی ہو گی، دُلہن کو اشرفیاں روپے، زیور ملیں گے ـــــ دُولہا کو سلامیاں ـــــ رومالوں میں چکنی چھالیہ، لونگ، الائچی چاندی سونے کے ورقوں میں مڑھی ہوتی ـــــ بیچ میں جگر جگر کرتی اشرفیاں انگوٹھیاں ـــــ جب یہ سب ہو جائے گا تو بھابیاں، رشتے کی سالیاں، سلجیں، کنواری بیاہی لڑکیاں سب گھس پڑیں گی کہ آخری رسم انجام دی جائے ـــــ تب دُولہا میاں دُلہن کا گھونگھٹ اُٹھا کر اس سے آنکھیں کھولنے کی التجا کریں گے۔

"بی بی ـــــ آنکھیں کھولو ـــــ میں تمہارا غلام ـــــ"

تصوّر کی حدیں اُسے وہاں لے گئیں جہاں دُولہا کے ہاتھ میں دُلہن کا زرتار سُرخ گھونگھٹ تھا ــــ وہ چلّائی۔

"نہیں ــــ نہیں ــــ نہیں ــــ یہ ظلم ہے ــــ یہ ظلم۔ یہ قتل ہے ــــ یہ خون ہے ــــ یہ میرا قاتل ہے ــــ یہ میرا خون ہے . . . . . . " پھر وہ دھیرے دھیرے سسکنے لگی ــــ " مالک میرے ــــ تیری کتاب کو میں نے ترجمے کے ساتھ پڑھا ہے اے الرحم الرحمین تو نے ہی تو قصاص کا مسئلہ رکھا ہے ــــ تو نے تو خود خون کا بدلہ خون رکھا ہے ــــ قتل کا بدلہ قتل ــــ قصاص ــــ پھر آج تیری دُنیا میں جو میرا ــــ مجھ بے گناہ کا قتل ہوا ہے اس کا قصاص میں کس سے لوں ــــ کیسے لوں . . . کیسے . . کیسے . . ."
سُسرالیوں کے جلو میں دُولہا میاں زنانے میں چلے گئے اور وہ سنگِ مرمر کے خوبصورت فرش پر ایک خوبصورت مورتی کی طرح پڑی رہ گئی۔

"تیرے عدّت کے دِن پُورے نہیں ہوتے بِٹیا ابھی تک" زمانی بیگم نے بیٹی کا مُرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اپنے دِل کی ہائے نواب شوکت پر ڈالی۔

حیا بچّی کا مونہہ دُھلاتے ہوئے دہل کر بولی : " اللہ نہ کرے اماں جو میں عدّت کے دن گزاروں۔ مَری تو مَیں ہوں ــــ خُدا ان کو سلامت رکھے۔

"ایسی دیوانگی دیکھی نہ سُنی ــــ نامراد نے آنکھوں دیکھتے ایک دِل اُجاڑ کر گھر بسا لیا۔ اور تو اسی کے فراق میں مَری جا رہی ہے"

"مَر چکوں تو چین ملے۔ اب دُنیا میں دِل نہیں لگتا اماں"

"صبر کر بیٹی ــــ لوگ مرے کو صبر کرتے ہیں تو جیتے کو صبر کر لے"

"صبر تو کر لوں اماں ــــ لیکن کتنا ؟ آخر کب تک ــــ کوئی مجھے حد بتا دے"

زمانی بیگم کا کلیجہ کٹ کٹ گیا۔

"اماں اتنا بڑا دھوکا بھی کوئی کرتا ہے ـــــ اماں اللہ میاں نے سینے میں دل اور ضمیر جیسی بھی ایک شے بنائی ہے نا ـــــ اماں انہیں کبھی خیال آتا ہوگا کہ کیسے محبت بھرے دل کو انہوں نے توڑا ہے ـــــ اماں ہنستے بولتے کبھی یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ کسی کے ہونٹوں کی ہنسی میں نے چرائی ہے۔ اماں ـــــ ایک بار دلہن بنا کر لے جاتے ـــــ پھر بعد میں طلاق دے دیتے، میرا سہاگ چڑھنے کا ارمان تو نکل جاتا۔ اماں ـــــ اماں ـــــ اماں . . . ." زمانی بیگم اس کا پاگل پن دیکھ کر بونقوں کی طرح اس کا مونہہ تکتیں۔ سوچتیں جتنی بھی بک بک کر لے اچھا ہے۔ اپنے آپ ہی سوچ سوچ کر گھٹتی رہی تو پاگل ہو جائے گی۔

ایک دن پھر سے حیا نے دلہنوں کا سا سنگھار کیا ـــــ خوب اپنے آپ کو سجایا سنوارا ـــــ خوب زیور پہنے ـــــ ماں سے کہا ایک شکرام منگوا دیں ـــــ وہ حیرت سے دیکھنے لگیں اور بولیں :

"اماں ـــــ پتہ نہیں کیوں اندر والا دل کہتا ہے کہ شادی انہوں نے اپنی امی حضور کے تقاضوں سے تنگ آکر کی ہے۔ وہ بھی میری ہی طرح اداس رہتے ہوں گے۔ آج بُری طرح ایک نظر دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ انہی کے ہاں جا رہی ہوں ذرا۔"

ماں نے دہل کر اُسے دیکھا : "اری پاگل اسی لاشے میں پڑی تھی تو ٹھیک تھا کہ وہ بھی اُداس ہوں گے ـــــ اب جا کر خوش و خرم پائے گی تو انگاروں پر لوٹتی پھرے گی۔ کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہے، نہ جا نامراد رک جا ـــــ،" ان کے دل کی صدائیں دل سے باہر نہ آپائیں ـــــ وہ دکھے دل اور بھیگی آنکھوں سے بیٹی کو دیکھا کیں جو چوتھی کی دلہن بنی اپنی سسرال جا رہی تھی۔

شکرام کے رکتے ہی ایک بے پناہ قہقہے نے حیا کا استقبال کیا۔ بلاشبہ یہ نواب شوکت کی آواز تھی ـــــ اُسے اس خیر مقدم کی توقع نہ تھی ـــــ شکرام والے نے زنانی سواری کا جا کر کہا تو مصاحبین میں سے کسی نے کہا کہ زنانے دروازے سے لے جاؤ۔ لیکن

حیا نے پھر سے کہلوایا کہ اسے باہر ہی رکنا ہے ـــــ دو ایک مصاحبین نے پھیرے کئے ـــ وہ پردے کے اندر ہی سے جواب سوال کرتی رہی۔ آخر اس نے دھیرے سے کہلوایا۔

"نواب صاحب سے کہہ دیں کہ تخلیے میں ملنا ہے۔"

نواب شوکت بھونچکے سے رہ گئے ـــــ شادی شدہ آدمی ـــــ عزت دار نواب یہ کون بے حیا عورت ہے جو خود سے کہہ رہی ہے کہ تخلیے میں، تنہائی میں ملنا ہے ـــــ خود ہی اُٹھے اور بڑا ہال طے کرتے ہوئے سیڑھیوں کے اوپر ہی زینے پر رک کر شکرام والے سے بولے:

"اُنوں نام کیا بتا ئے؟"

شکرام والا مڑ کر بولا: "پاشا اُنوں پوچھ رئیں آپ کا نام کیا ہوتا؟" حیا نے شکرام کا پردہ ذرا سا اُٹھایا اور نواب شوکت پر بجلی سی گر پڑی۔

"تم؟ حیا! یہاں محل میں؟ بلا مطلب ـــــ بلا کام؟ لوگاں ہمارے متعلق کیا سوچیں گے؟" وہ مسکرائی۔

"اندر آنے کی اجازت ہے سرکار کی؟" وہ بار بار حیا سے مل چکے تھے اور انہوں نے خاص طور سے یہ بات محسوس کی تھی کہ لاکھ وہ طوائف تھی اور ناچنا گانا اس کا پیشہ لیکن اس کے اندازِ گفتگو میں بازاریت اور وہ روایتی طوائف پن نہ تھا بلکہ گھریلوپن اور شرافت تھی جو خاص خاندانی بیبیوں کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت اس نے جس طنز بھرے انداز سے انہیں ایک بازاری عورت کی طرح "سرکار" کہہ کر مخاطب کیا تھا اس نے اس اندازِ گفتگو اور اندازِ تخاطب نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا ـــــ اب نہ کہنے یا بہانہ بنانے کی کوئی راہ نہیں تھی۔

"آیئے ـــــ آیئے ـــــ" انہوں نے بھی خاصے تکلف کے ساتھ جواب دیا۔ حالانکہ وہ اتنی بار مل چکے تھے اور تکلف کی دیواریں اس حد تک ڈھے چکی تھیں کہ وہ مدتوں

سے "تم" ہو چکی تھی۔

وہ اپنے اسی قاتل اور جان لیوا انداز میں جیسے لہروں پر بہتی چلی آئی ہو۔ آئی اور اِدھر اُدھر دیکھتی کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھئے ــــ" نواب صاحب نے کوئی خاص کھلے دِل سے نہیں کہا۔

"یہی سوچ رہی تھی کہاں بیٹھوں ــــ ایک زمانہ تھا کہ مستقل آپ کے دِل میں قیام تھا۔ جو اتنی بلندی پر بیٹھ چکا ہو ــــ اسے فرش اور مسند کتنے حقیر نظر نہ آتے ہوں گے!" نواب شوکت سخت بُز بُز ہو رہے تھے۔ "بہرحال! وہ دھیرے سے ایک کوچ پر بیٹھ گئی ــــ دِل میں اتر جانے والی آنکھیں ان کی طرف اُٹھا کر بولی ــــ

"پتہ ہے آپ کی بیٹی کا نام میں نے کیا رکھا ہے؟" نواب صاحب جو خود بھی بیٹھ چکے تھے، ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑے ہوتے

"ہماری بچی؟" وہ سخت غصے میں بولے۔

"یہ کیا حماقت ہے ہم کو آپ سے ایسے مزاح کی توقع نہیں تھی"

"مذاق ــــ" وہ تیکھے لہجے میں بولی: ــــ "جس حقیقت کو ایک مجھ جیسی عورت اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی سمجھتی ہے ــــ مرد ہمیشہ اسے مذاق ہی سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ سہرے توڑے کے لوازمات اور نکاح کے چند مقدس بول اس عورت اس بازاری عورت کا مقدر نہیں ہوتے جس قبیل سے میں تعلق رکھتی ہوں"

"اب آپ بس یہ بتایئے کہ آپ کے واسطے ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

اس نے بے حد ترسے ہوئے لہجے میں کہا: "میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی۔ صرف آپ کے قدموں میں رہنے کی سعادت چاہتی ہوں" نواب صاحب جھنجلا کر بولے:

"دیکھئے حیا بیگم ــــ ہمارا خاندان نوابوں کا کتنا عظیم الشان اور نامور خاندان ہے ــــ ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں کوئی رنڈی بازی نہیں کرایا، ناچ گانے سے

شوخ نہیں فرمایا ــــ پر یہ کبھی نہیں ہوا کی کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو ــــ آخر نام و نمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ــــ" حیا کا چہرہ غصے سے تپ گیا ــــ وہ کھڑی ہو کر تیزی سے بولی :

" معاف کیجئے گا نواب صاحب ــــ میں آپ کے خیالات کو اتنا گھٹیا نہیں سمجھتی تھی کہ میرے مطالبے کو آپ ایک کھیل کا درجہ دے دیں گے ــــ میں تو آپ سے صرف قربت کی خواہاں تھی ــــ میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں چاہا کہ آپ مجھے ایک نظر دیکھ بھی لیں، میں محبت کی ماری تو صرف اس لئے آپ کے ساتھ رہنا چاہتی تھی کہ میں آپ کو دیکھ سکوں ــــ ان پیاسی اور بے قرار آنکھوں کی پیاس بجھا سکوں جنہوں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد، کسی کو نہیں دیکھا، نہ دیکھنا چاہیں گی ــــ آپ اگر بلند نظر ہوتے تو یوں بھی سوچ سکتے تھے کہ میں آپ کی ماما بن کر بھی تو رہ سکتی ہوں لیکن آپ کے خیالات کی پستی آپ کو کس قدر نیچے لے گئی ــــ یہ تھی!

" ہم یہ بھی گوارا نہیں کر سکیں گے کی آپ کو اس محل میں کسی بھی حیثیت سے رکھیں ــــ آپ خوبصورت ہیں۔ جوان ہیں ــــ ہمارے نظراں کبھی بہکے تو ہماری گھریلو زندگی متاثر ہو سکتی ہے ــــ اب ایک لڑکی جس کے ماں باپ چھٹا کو اپنی محبت اور بھروسے پر اس کو یہاں لائے، اُس محبت کو کیسا جھوٹا ٹھیرانا ــــ"

حیا دھیرے دھیرے چلتی اُن کے قریب ــــ اور قریب ــــ اور قریب آ ئی اپنا سر اُٹھا کر اُن کا بلند و بالا وجود دیکھا۔ اور ان کی آنکھوں میں سیدھی دیکھتی ہوئی بولی :

" پھر سے یہ ساری باتیں دُہرایئے ــــ آپ کے منہ سے اچھی لگتی ہیں ــــ"

نواب صاحب سٹ پٹا گئے ــــ انہیں وہ سارے وعدے یاد آ گئے جو انہوں نے اپنی بیوی سے پہلے بھی کسی لڑکی سے کئے تھے اور وہ لڑکی اس وقت ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مطالبہ کر رہی تھی ــــ " پھر سے یہ ساری باتیں دُہرایئے آپ کے منہ سے اچھی لگتی ہیں "

"آپ مجھے اس قدر گری ہوئی عورت سمجھتے ہیں نواب صاحب کہ مَیں کسی بھی طرح آپ یا آپ کی بیگم صاحبہ کی زندگی میں کانٹا بن کر کھٹکوں گی ــــ ؟" وہ ان کی خاموشی اور مجبوری کو دیکھ کر خود ہی بول اُٹھی تھی :

"آپ کو ایک بات بتاؤں ؟ عورت اپنی فطرت میں خُدا سے بے حد قریب ہے ۔ خُدا بھی اپنی خدائی میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا اور عورت بھی اپنی زندگی اور اپنی دُنیا میں کسی کی شراکت نہیں برداشت کرسکتی ــــ آپ کی بیگم صاحبہ میرا وجُود نہیں برداشت کرسکیں گی تو مَیں خود انہیں کہاں برداشت کرسکوں گی ؟ یہ تو مَیں صرف آپ کو آزما رہی تھی دیکھ رہی تھی کہ میرا چاہنے والا میری محبت میں کتنا اونچا ہے ؟" آراستہ و پیراستہ شاندار محل کے اسی شاندار کمرے میں بس دو متنفس تھے اور سانسوں کا زیروبم ــــ بڑی دیر بعد نواب صاحب بولے :

"آپ کے لئے ہم کر ہی کیا سکتے ہیں ــــ پھر بھی آپ کچھ چاہیں تو . . . "

" وہ مسکرائی : "آپ صرف مجھے ایک سوال کا جواب دے دیں ــــ مجھے سب کچھ مِل جائے گا "

نواب صاحب تجسس کے مارے سراپا سوال بن گئے ۔

"کون سا سوال ــــ ؟"

"کیا آپ اپنی موجودہ زندگی سے خوش ہیں ــــ ؟ آپ کو کسی بات کا غم یا پچھتاوا تو نہیں ؟"

نواب صاحب کے تنے ہوئے اعصاب پُرسکون ہو گئے تھے اور بڑی دیر بعد ان کے چہرے پر ذرا سی اطمینان بھری مُسکراہٹ بھی آ گئی ۔

" خُدا کا کرم ہے کہ ہم بے حد خوش ہیں اور غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا "

سر سر کرتی آگ کی لپٹیں جانے کہاں کہاں سے آکر اس کے وجود کو جھلسنے لگیں ۔

"ہم بے حد خوش ہیں ـــــ"

"ہم بے حد خوش ہیں ـــــ" غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"
میری زندگی کو غموں کا سدا بہار جہنم بنا کر یہ شخص کتنا مطمئن ہے ـــــ کتنا پرسکون ہے ـــــ اے خدا عورت کو تو نے اتنا مجبور کیوں بنایا؟ ان دیکھی آگ کی لپٹوں نے بڑھ بڑھ کے اس کے وجود کو تپا دیا ـــــ وہ سُلگ اُٹھی ـــــ اب اُسے کیا لینا تھا ـــــ محبت کا صرف ایک بول، گزرے لمحوں کی ایک خوب صورت یاد ـــــ خوب صورت یادوں کا صرف ایک لمحہ اسے زندگی سے ہمکنار کر سکتا تھا ـــــ وہ اپنی ساری کلفتیں، ساری رنجشیں، سارے غم، سارے آنسو بھول جاتی، اگر یہ شخص غمگین ہو کر سر جھکا لیتا ـــــ خاموش رہ جاتا ـــــ یا دُکھ بھری بوجھل آواز سے صرف اتنا کہہ دیتا۔

"ایسا جان لیوا سوال کیوں پوچھتی ہو؟"

واپسی کے سارے راستے زندگی نے بند کر ڈالے ـــــ وہ یوں ہی احساسات سے عاری، انہیں دیکھتی رہی، دیکھتی رہی ـــــ پھر وہ اُٹھے ـــــ طلائی کام والے سلیم شاہی جوتے پہنے ـــــ بڑے سے ہال کے کونے میں گئے ـــــ آہنی تجوری کو چابی لگا کر اپنی مضبوط اور لانبی انگلیوں کے دباؤ سے گھما کر، پٹ کھولا ـــــ پٹ کھلتے ہی اندر آگ سی دہکی ـــــ دھوپ سمان سونا کرنیں بکھیر رہا تھا ـــــ انہوں نے اشرفیاں گننی شروع کیں پھر انہوں نے ایک سُرخ تھیلی میں وہ ساری اشرفیاں بھریں ـــــ تجوری بند کی ـــــ واپس مڑے تو جیا تلوار کی طرح تنی ان کے راستے میں کھڑی ہوتی تھی۔

"تاریخ رضیہ سلطانہ کا نام اپنی یادوں میں ہمیشہ محفوظ رکھے گی کہ اُس نے اتنی عظیم الشان سلطنت پر بادشاہت کی تھی ـــــ" وہ حیرت سے دیکھا کیے۔ وہ سُناتی گئی: "لیکن کوئی مورخ مجھے یاد نہیں کرے گا نہ تاریخ میں میرا نام ہی سُنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا ـــــ حالانکہ میں نے بھی رضیہ سلطانہ کی طرح بادشاہت کی ہے ـــــ

اس نے تو محض سلطنت پر حکومت کی ہے، میں نے تو اس عظیم الشان اور بے مثال تخت پر تاجوری کی ہے جسے ایک فرد کا دل کہتے ہیں ـــــ شوکت نواب! اپنے حسابوں میں بھی ایک ملکہ ہی رہی ـــــ ایک ایسی سلطنت میری ٹھوکروں میں رہی جسے میں چاہتی تو ایک دھکے سے چُور چُور کردیتی ـــــ لیکن میں، جو بنیادی طور پر ایک عورت تھی، عورت ہی رہی ـــــ فنِ سپہ گری مجھے نہ آیا ـــــ تباہ و تاراج کردینے کی ادائیں نہ اپنا پائی ـــــ قوموں کی زندگی کی بات میں نہیں کرتی، لیکن فردوں کی زندگی میں عورت کی ایک نگاہ ـــــ محض ایک نگاہ نے ہرے بھرے باغ اجاڑ دیے ہیں، ہنستے کھیلتے گھرانے برباد کردیے ہیں اور میری نگاہ! نواب شوکت تم جانتے ہو میری نگاہ کا مول کیا ہے! یہ تلوار ایسی تلوار تھی جس کی کاٹ ہی نہیں تھی، لیکن تمہاری خاطر میں نے یہ کُند کرلی تھی، کیوں کہ اگر یہ صیقل ہوجاتی تو ایک مقتل بپا ہوجاتا ـــــ اور مجھے تو صرف ایک ہی کا ہو کر جینا تھا ـــــ وہ ایک ـــــ کہ میں تو اس کی ہوگئی ـــــ وہی میرا نہ ہو سکا ـــــ شاید برسوں گزرنے پر داستان در داستاں، زباں در زباں، نانیاں، دادیاں دونوں ہی کہانیاں سنائیں گی اور مسافر راستہ بھولیں گے ـــــ تب کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی لمحے اس داستان کو سن کر کوئی بھولا مسافر راستے سے بھٹکا، مسافر میرا راز پالے گا ـــــ میری دفن شدہ محبت کو ڈھونڈھ نکالے گا اور تب سننے والے کہیں گے جس کی کہانی سن کر لوگ آج راستہ بھول گئے ـــــ وہ خود کتنے سیدھے راستے پر چلی تھی!"

بولتے بولتے وہ اچانک رک گئی ـــــ اس کی آواز آنسوؤں سے بھاری ہوگئی وہ آگے بڑھی ـــــ نواب شوکت کے قریب پہنچ کر بولی۔

"میں کس راستے پر چلوں نواب شوکت! مجھے بتاؤ میں کس راستے پر چلوں؟ وہ تو تب کی بات ہے جب میری کہانی سن کر لوگ کہیں گے کہ وہ کتنے سیدھے راستے پر چلی تھی ـــــ لیکن آج جب کہ میری ساری راہیں گم ہوچکی ہیں ـــــ میں تم ہی سے سوال کرتی ہوں کہ

میں کس راستے پر چلوں ـــــ بتاؤ ـــــ جواب دو ؟" اور وہ نڈھال ہو کر وہیں گر پڑی۔
شوکت نواب نے خاموشی سے اُسے دیکھا۔ ڈرتے ہوئے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔
اس کے قریب گئے اور اشرفیوں کی تھیلی لئے دیتے ہوئے لجاجت سے بولے :
" اب خدا کے واسطے یہ رونا دھونا بند کرکے تم جلدی سے نکل کے چلے جاؤ ـــــ
کوئی دیکھ لیا تو بہت بُرا ہو میں گا ـــــ" حیا نے زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا :
" میری قیمت دے رہے ہو نواب ؟"
" فضول باتان نہ کرو، پیسہ بہت ضروری چیز ہے ـــــ خوشی میں، غم میں ہر مُصیبت میں ـــــ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا ـــــ اچھا چلو یہی سمجھ لو کہ تمہاری قیمت دے رہے ہیں ـــــ مگر کام تو آئیں گا نا ـــــ دس ہزار اشرفیاں کم نہیں ہوتے۔"
حیا نے اشرفیوں کی تھیلی ہاتھ بڑھا کر تھام لی ـــــ اتنی وزنی تھی کہ اس کا ہاتھ ڈول گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے تھیلی سنبھال لی۔
" آپ کی کس کس عنایت کا شکریہ ادا کروں آخر ـــــ الفاظ ایسے موقعوں پر کس قدر حقیر ثابت ہوتے ہیں ـــــ" نواب شوکت کچھ نہیں بولے ـــــ اس وقت ان کے ہر انداز سے یہ ظاہر تھا کہ کم بخت جلد نکل چلے ـــــ ٹر چلے ـــــ وہ اُن کے چہرے سے اُن کے جذبات پڑھ رہی تھی اور جان جان کر لمحوں کو طول دیے جا رہی تھی۔
دروازے کے قریب جا کر وہ پھر رُکی ـــــ
" میں ہمیشہ اپنے آپ کو لفظوں کی ملکہ سمجھتی رہی کہ الفاظ جس کے حضور دست بستہ غلاموں کی طرح ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں ـــــ جسے چاہوں حکم دوں اور وہ حاضر ہوجاتے لیکن آج میں خود کو تہی دامن پا رہی ہوں۔ آج میں ملکہ کی بجائے ایک کنیز سے بھی گئی گزری خود کو پا رہی ہوں ـــــ الفاظ رنگین تتلیوں کی مانند پروں کو لہراتے دور کہیں دور نکل چلے ہیں، اور میں خالی ہاتھ سوچتی کھڑی رہ گئی ہوں۔ الفاظ تتلیاں بن کر اُڑ گئے تھے تو اُڑ گئے

کم سے کم زبان تو میرا ساتھ دے دیتی ـــــ زبان نہیں تو آنکھوں کی زبان، جو صرف تم نے پڑھی ـــــ تم نے ہی سمجھی ـــــ اور تم نے ـــــ تم نے شوکت نواب تم نے ہی بھلا بھی دی ـــــ خدا حافظ ـــــ" وہ دانتوں سے ہونٹوں کو کاٹتی اپنے ننھے منے وجود کو کانپتے تڑپتے وجود کو سنبھالتی ـــــ ہاتھوں میں اشرفیوں کی تھیلی کو مسوستی، سیڑھیاں اتر گئی۔ از شوکت نواب کے دل سے، ذہن سے اور یادوں سے بھی اتر گئی۔

شکرام میں بیٹھ کر وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی:
شکرام والے۔ تمہیں کچھ یتیم خانوں کے نام پتے یاد ہوں گے؟"
"جی ہو پاشا ـــــ" وہ بغیر مڑے نرمی سے بولا:
"جتنے بھی یتیم خانے تم نے دیکھے ہیں۔ باری باری مجھے سب جگہوں پر لے چلو۔"
"جیسا حکم پاشا کا ـــــ" وہ سعادت مندی سے بولا۔
شکرام جگہ جگہ رکتی گئی اور مٹھیاں بھر بھر کر اشرفیاں وہ لٹاتی گئی ـــــ یتیم خانوں کے مہتمم اور نگراں حیرت زدہ سے اس مخیر اور حاتم طائی صفت لڑکی کو دیکھتے رہ جاتے جو بنا رسید کٹوائے یوں سونا لٹا رہی تھی۔

اُس کے گھر کے دروازے کے پاس جب شکرام رکی تو اُس نے سرخ تھیلی شکرام والے کے حوالے کر دی ـــــ جس میں بیس پچیس اشرفیاں کھن کھنا رہی تھیں ـــــ اس نے بے اعتباری کے عالم میں تھیلی میں جھانک کر دیکھا ـــــ جگر مگر اشرفیوں کو دیکھ کر وہ گنگ سا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ بول پایا۔

"بچو پاشا ـــــ میں غریب آدمی ـــــ کبھی امین صاحب (پولیس) دیکھ لئے یا کوئی بھی جھوٹ سچ شکایت کر دیا تو مارا جاؤں گا ـــــ میرے کو کرائے کے ڈیڑھ روپے بس پاشا ـــــ"

وہ نرمی سے بولی: "میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں ـــــ اور شکایت کون کرے گا؟ کسی کو پتہ ہو تب نا ـــــ تمہارے اپنے سوا کون یہ بات جاننے چلا؟"

"پاشا ـــــ" وہ سراپا آنسو بن کر بولا: "میرے تو پُشتاں لراج کریں گے۔ خُدا آپ کو اس کا اجر دیں گا ـــــ آپ کے سارے دِل کے مُراداں پورے کریں گا ـــــ" وہ آگے بڑھتا، پیچھے مُڑتا، سخت بے یقینی اور بے اعتباری کے عالم میں شکرام پر جا بیٹھا ـــــ حیا نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں۔

"اے خُدا تو گواہ رہیو کہ تو سب سے بڑا منصف ہے کہ آج میں ہر قرض سے سُبکدوش ہوئی ـــــ"

پازیب کی چھم چھم سُن کر زمانی بیگم حیا کے کمرے میں لپکی آئیں کیسی خوب صُورت لگ رہی تھی ـــــ نگاہ بھر کر دیکھا نہ جاتا تھا۔

"کیا کرنے گئی تھی بیٹی ـــــ" وہ دُکھے دِل سے بولیں۔

"میں دُلہن بننے گئی تھی اماں ـــــ" وہ پلنگ کی پٹّی سے ٹکی اتنی اُداس بیٹھی تھی کہ سارا ماحول غم میں ڈوب سا گیا تھا ـــــ ہلکے سے مسکرا کر اُس نے سَر اُٹھایا۔

"اماں دُلہن بننا اتنی مشکل بات ہے؟ میں تو سمجھتی تھی زیورات سے سج کر سُرخ کپڑے پہن لے تو کوئی بھی لڑکی دُلہن بن جاتی ہے ـــــ لیکن اماں پتہ چلا کہ اپنے دِل کے خون سے بھی کپڑے رنگ ڈالو تو بھی سُہاگ کی سُرخی نہیں ملتی ـــــ" وہ بیٹھی اپنی ہتھیلی کی لکیریں دیکھتی رہی ـــــ زمانی بیگم یونہی دروازے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں ـــــ دوسرے کمرے سے لڑکیوں کی باتوں، ہنسی مذاق کی آوازیں آرہی تھیں ـــــ کوئی لڑکی شاید پیروں میں گھنگرو باندھے اِدھر اُدھر آجا رہی تھی ـــــ زمانی بیگم نے ماحول کا ـــــ اس کے گرتے ماحول کا سناٹا توڑنے کی خاطر بات کی۔

"اے بیٹی ـــــ اتنی ننھی سی جان کو چھوڑ کر اتنی دیر کوئی باہر رہتا ہے ـــــ روتے روتے ہلکان ہو گئی نامُراد ـــــ" حیا نے سر اُٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے انھیں دیکھا۔

"اماں، نواب صاحب اپنی زندگی سے بہت خوش ہیں ـــــ" اس نے بے ربط جواب دیا اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ـــــ زمانی بیگم لپک کر آگے بڑھیں اور اُسے گلے سے لگا لیا۔

"اے جانے بھی دے بیٹی ـــــ کم بخت کے پیچھے اپنی جان ہلکان کئے دیتی ہے۔ اپنا حُسن دیکھ اپنی بے مثال جوانی دیکھ ـــــ ایسے کتنے کتنے شوکت نواب آئیں گے اور تیرے تلوے چاٹیں گے ـــــ خوش ہوتا پھرے ہماری بلا سے ـــــ اور خوش کیوں نہ ہوگا ـــــ محل سے خواجہ سرا لڈوؤں کے تھال پہنچا گیا تھا ـــــ بہو بیگم کی ابھی چھلّیاں بھی پوری نہیں ہوئی ہیں اور اُبکائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ـــــ تارا کہتا تھا سرکار نے محل میں کہہ رکھا ہے بیٹے کی پیدائش پر خوشی میں تمہارا ہی ناچ گانا رکھوائیں گے۔"

"اماں ـــــ اماں ـــــ وہ کرب سے بولی: "ایک ہی ساتھ سارا خون نچوڑ لیجیے یوں قطرہ قطرہ کرکے نہیں اماں ـــــ بہت تکلیف ہوتی ہے اماں ـــــ" ماں نے ٹوٹتے دل سے بیٹی کو دیکھا: "ساری جوانی جس ایک پودے کو پروان چڑھانے میں گزار دی کیسا مُرجھایا جا رہا ہے ـــــ خدایا اگر یہ کم بخت دل نہ بنایا ہوتا تو تیرا کیا جاتا ـــــ مٹھی بھر کا یہ ٹکڑا ساری زندگی پر بھاری ـــــ" روتے روتے اس نے سر اُٹھا کر ماں کو دیکھا اور عجیب اجنبی سے لہجے میں بولی:

"اماں ـــــ آج میرا ناچنے گانے کا جی چاہ رہا ہے! ناچوں گی، گاؤں گی اور دُعا کروں گی کہ خدا انہیں بیٹا دے ـــــ" زمانی بیگم نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ کہیں بٹیا کا دماغ تو نہیں اُلٹ گیا ـــــ لیکن وہ بھلے سبھاؤ میں کہہ رہی تھی۔

"اماں ساری زندگی تو دوسروں کے لئے ناچتے رہے ـــــ دوسروں کو خوش کرنے

کو ناچتے رہے۔ آج ایک دن اپنے لئے بھی" وہ ان سے لپٹ گئی۔ "اماں آج اپنا سارا فن مجھے سکھا دو۔ موسیقی کے زیر و بم گھنگھروں اور طبلے کی تھاپ پہ مجھے رقص کا وہ انداز عطا کیجئے کہ جب کبھی ناچنے کو اُٹھوں تو میرے ساتھ پوری کائنات رقص کرنے لگے ــــ زمین و آسمان وجد کرنے لگیں۔

"اری بیٹی میں کون سی بڑی ماہرِ فن ہوں ــــ اپنے بڑوں سے جو کچھ سیکھا وہی تم تک پہنچا دیا ــــ ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے دل سے اضافے اور جاتیں خوب کیں ــــ ٹمیا ہم نے تو مروجہ اصولوں کے خلاف بریانی تک میں بھی پسی ہوئی سُرخ مرچ ڈالی اور داد پائی ــــ موسیقی اور رقص میں بھی اپنے طور پر یہی کچھ کیا کہ کانوں کو بھلا لگے اور آنکھوں کو تراوٹ بخشے ــــ ماہرینِ فن اگر دیکھ لیں کہ اپنی لڑکیوں کو بیک وقت ہارمونیم، سارنگی، ڈھولکی، مٹکی، طبلے اور تالی کی سنگت میں نچواتی ہوں تو کان پکڑ کر محفل سے نکال دیں ــــ لیکن بیٹی میں نے تو اپنے تجربے سے اتنا جانا ہے کہ اُس مالک کی قدرت کے صدقے جایئے کہ لہروں کی ترل ترل آواز بھی ہم آہنگ ہو کر رقص کے لئے موسیقی بن جاتی ہے۔ چٹکی یا محض زبان کی چچ چچ یا تالی۔ کوئی بھی آواز ایک مخصوص لَے سے بجے تو رقص کے لئے سازگار بن جاتی ہے ــــ تو پھر طبلہ؟ یہ تو حضرت امیر خسروؒ کی دین ہے ــــ عورت ہو کر بھی اسی لئے اس کو اپنایا کہ کچھ تو حضرتؒ سے واسطہ قائم رہے۔ . . . . "

حیا انتہائی غور سے اُن کی باتیں سُن رہی تھی ــــ زمانی بیگم خوش تھیں کہ بیٹی کا دھیان بٹ گیا ہے لیکن وہ سخت حیرت زدہ بھی تھیں کہ ناچ رنگ موسیقی سے حد درجہ اُکتاتی ہوئی یہ لڑکی اچانک آج اتنے انہماک سے سبق لے رہی ہے؟ کیا وہ اپنے دلِ ناکام کا بدلہ لینے اس جگمگاتی دُنیا میں لوٹ آنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ یا کچھ بھی ہو وہ ماں ہونے کے ناطے اس وقت بے حد خوش تھیں کہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی وہ اپنے غموں کے حصار سے باہر نکلی تو سہی ــــ دھیرے دھیرے سہی، میں اُسے پھر اسی ماحول میں کھینچ لاؤں گی۔ انہوں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا۔

"اماں ——— آج وہی تال آڑا چوتالہ دیجئے ——— اور سارے سازوں کو اونچے اونچے سُروں میں چلنے دیجئے ——— اتنے اونچے سُر ہوں کہ اس شور میں میرے دل کی ہر ٹکار دب کر دفن ہو کر رہ جائے۔ میرے قدم بے ترتیب پڑیں تو پڑنے دیں، آج ہر آوارگی روا ہے ——— ہر بے ترتیبی مباح ہے ———"

ناچتے ناچتے وہ بے حال ہو گئی ——— بجانے والے پسینہ پسینہ ہو گئے، مگر وہ ناچے گئی ——— ناچے گئی اور تھک کر وہ ماں کی آغوش میں آگری ——— کلیجے کو کھرچ دینے والے درد بھرے لہجے میں ماں کے گلے سے لپٹ کر بولی۔

"اماں اتنے تیز شور میں بھی دل کی دھڑک کتنی نمایاں ہے! کون سا جتن کروں میری اماں کہ اس دل کا ساتھ چھوٹ جائے ———"

دل کا ساتھ تو خیر نہ چھوٹا لیکن برسوں کا ماں بیٹی کا ساتھ ضرور چھوٹ گیا ——— حیا اپنے دل کے ہاتھوں اُجڑی اُجڑی، تنہا تنہا اور اداس اُداس رہتی تھی، لیکن دستور اور معمول کے مطابق کوٹھے کی اور لڑکیاں تو اسی طرح رہتی تھیں ——— سجتی، سنورتی تھیں ——— ہر شام محفلیں جمتی تھیں ——— ساز چھیڑے جاتے تھے ——— بڑا سارا کوٹھا تھا ——— کئی کمرے تھے۔ شب باشی کی سیجیں الگ الگ کمروں میں تھیں ——— اپنے بندھے ہوئے اصولوں پر سارا کاج کاروبار چلتا تھا ——— زمانی بیگم اپنی سخت مزاجی کے باوجود بہر حال ایک ماں تھیں۔ گالیاں کوسنے تیز ترش بول سب انہوں نے آج کل بھلا دیے تھے ——— بٹیا کا دل ایسا ٹوٹا کہ وہ خود آدمی ہو کر رہ گئی تھیں ——— اسے کچھ بھی نہ کہتیں ——— نہ سجنے کو نہ سنورنے کو ——— نہ گانے کو

نہ ناچنے کو ـــــ سوچتی تھیں ـــــ چند دنوں میں غم ذرا ہلکا پڑے گا تو خود ہی گھنگرو باندھ لے گی ـــــ دوسری لڑکیوں کے معمول بھی بندھے ہوئے تھے اور گاہک بھی ـــــ خود ہی تیار ہو لیتیں اور اپنی محفلیں سنبھال لیتیں ـــــ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھیں ـــــ حیا کا یہ تھا کہ دکھوں سے ٹوٹ گئی تھی اور ویسے دیکھا جائے تو ایک نہ دو پورے پچاس ہزار شوکت نواب شادی کی تیاری کے سلسلے میں دے چکے تھے جو بعد میں نا انہوں نے لئے بھی نہیں ـــــ اتنا تو ساری لڑکیاں اور خود حیا بھی زندگی بھر مل کر کمائیں تو بھی شاید ہی جمع کر پائیں ـــــ تو اس کو تنگ کر کے فائدہ بھی کیا تھا اور فائدہ نقصان تو بعد کی بات تھی، اوّل تو خود انہی کا دل بیٹی کو آدھی بات بھی کہنے کو نہ چاہتا ـــــ کہاں یہ کہتی پھرتیں کہ "بٹیا خود کو سجا سنوار کر مسند سنبھال ـــــ"

اُس چار پہری کو سو کر اٹھیں تو روز کا سا سماں اور معمول تھا ـــــ گجرے والا گجرے دے کر ابھی ابھی گیا تھا ـــــ پنہارن ڈھوں بھر کر بان آنگن میں رکھے مٹکوں اور صراحیوں کے پاس لال لال صافی میں لپیٹ، پانی کے چھینٹے دے کر لپیٹ گئی تھی ـــــ چھڑکاؤ والا بہشتی یہاں سے وہاں تک اُڑتے گرد کے بادل کو تھپک تھپک کر سُلا گیا تھا اور اب سارے آنگن میں سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی جس میں اب ادھ کھلے گجروں کی کلیوں کی مدھ ماتی خوشبو بھی شامل ہو رہی تھی ـــــ ماما ظہورن رات کے کھانے کے لئے گلاوٹ کے کباب تیار کر رہی تھی ـــــ باورچی خانوں سے گرم مسالے کی خوشبو کی لپٹیں چلی آ رہی تھیں ـــــ ساتھ ساتھ ظہورن کے تبصرے بھی ـــــ

"مٹی پڑے کو جاؤ موا اخصائی سارے چھیچھڑے بھر کو گیا ـــــ کیا کیا بال تیں گے اُجاڑ۔ ہو رائب دیکھو وہ مُوا گولی کا بچہ دُودھ دے کر جائے گا سو ـــــ آدھا پانی آدھا دُودھ ـــــ کیا تو بھی بچی دم پکڑیں گی ـــــ ماں کے دُودھ میں طاقت رہتی پن چھٹی پاشا کو اتا دُودھ کاں اُترتا ـــــ او غفیرے موئے دیتی ـــــ کوئی آئے گا تو ذرا قرینے سے بات کر۔ ـــــ

اِتنی سی بچّی دیکھیو اور اس کے رزخ کے ساتھ بے ایمانٹی پن دیکھو۔"

دُودھ ــــ گولی ــــ بچّی سُنتے سُنتے ہی زمانی بیگم کی آنکھ کھُل گئی تھی ــــ روز اس وقت اُٹھتے ہی سب سے پہلے ماما یا کرمن، یا غفورے یا چھمن خاں سے نواسی کو بلواتیں ــــ اپنے بستر پر لٹالیتیں توتلا توتلا کر باتیں کرتیں ــــ لپٹا لپٹا کر خوب پیار کرتیں پھر مونہہ ہاتھ دھونے کے لئے بستر سے اُترتیں ــــ آج کرمن کو آواز دی کہ بچّی کو لائے تو کرمن نے جواب دیا" چھوٹی بی بی خود بھی آج ابھی تک نہیں اُٹھیں ــــ دروازہ بند ہے۔"

مونہہ ہاتھ دھو کر، اطمینان سے چائے پی، تمباکو والا پان کھا کر وہ حیا کے کمرے میں پہنچیں تو دروازہ بھڑا ہوا ہی تھا ــــ ذرا سے دھکّے سے کھُل گیا ــــ انہوں نے اندر داخل ہو کر دیکھا تو کمرہ خالی! گھبرا کر اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا ــــ نہ بچّی نہ ماں ــــ باہر نکل کر کمرے میں جھانکا ــــ سب اپنے اپنے کاموں میں ساجے سنگار میں، سجنے سنورنے گنگنانے، ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ میں لگی ہوئی تھیں۔

"اری لڑکیو! حیا کو دیکھا؟ ایک ایک سے پوچھتی گئیں ــــ ناں میں جواب پاتی گئیں ــــ دھڑ دھڑ کرتے دِل کو پکڑ کے غفورے کو پکارا ــــ چھمن خاں کو آواز دی۔

"ارے نامُرادو! ــــ کہاں مر گئے سب کے سب ــــ ارے کسی نے میری بچّی کو دیکھا ــــ"

چھمن خاں سراسیمہ سے بھاگے آتے: "بیگم صاحبہ میں تو بیٹھکے ہی میں لیٹا رہا ہوں میرے سامنے سے تو نہیں نکلیں۔"

"اے تم پہ خدا کی مار ــــ پلنگ میں پڑے پڑے اکیلی جاتی تو کچھ نہ تھا۔ ننھی سی جان کو بھی ساتھ لے گئی ــــ ابھی اپنا آپ سنبھالنا تو آتا نہیں۔ بچّی کو کیا سنبھالے گی ــــ ارے دوڑو جاؤ دیکھو درگاہ شریف نہ چلی گئی ہو ــــ ایسے ہی آج کل اُڑی اُڑی رہتی ہے دِل کے سکون کی خاطر دعا مانگنے، فاتحہ پڑھنے چلی گئی ہو گی ــــ"

یہاں نہاں سب طرف آدمی دوڑا دئے گئے ـــــ لڑکیوں بالیوں میں بھی سب یہی چوں چوں ہوگئی ـــــ سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر وہیں آ کھڑی ہوئیں ـــــ غفورا بھی آ گیا ـــــ چھمّن خاں بھی یونہی لوٹ آئے ـــــ کریمن، ظہورن جس کی جہاں جہاں پہنچ تھی ـــــ اپنے اپنے ٹھکانوں تک ہو آئے ـــــ کوئی خبر نہ ملی ـــــ زمانی بیگم ڈھیر ہو کر پڑی تھیں ـــــ ایک سے ایک خیالات دل و دماغ پر یلغار کر رہے تھے۔

"بدنصیب اپنی جان پر نہ کھیل گئی ہو ـــــ آنسوؤں سے ہی ناطہ جوڑ لیا تھا ـــــ نہ کھانا نہ پینا ـــــ بات کرتی بھی تھی تو اس نامراد نواب کی ـــــ کیسے کھلے پھول کی طرح تازہ خوشبودار تھی میری بیٹی۔ مگر کیسی دھواں دھار ہو کر رہ گئی تھی ـــــ خدا کرے کسی جان پہچان والے کے ہاں رہ گئی ہو ـــــ یا اپنی کسی ملنے جلنے والی کے ہاں چلی گئی ہو ـــــ رات بھر بچی کو کیسے سنبھالے گی ـــــ نامراد کے دودھ بھی تو نہیں اترا ـــــ چار دن بھی نہ پلا سکی۔ اوپر کے دودھ پر ننھی سی جان پل رہی تھی ـــــ ایسے ہی اٹھا کرلے کر چلی گئی ـــــ نہ شیشی لے گئی نہ چمچی نہ کٹوری ـــــ کاہے میں دودھ پلائے گی ـــــ گدیلے اور پھالیاں بھی تو یہیں دھری پڑی ہیں ـــــ خدا جانے پیسے بھی ساتھ میں لے گئی یا یونہی اٹھ کر چل پڑی ـــــ ننھی تو شال اور دلائی تو یہیں پڑی ہے ـــــ رات کو سردی میں بچی ٹھٹھرے گی نہیں۔ خود اس نامراد نے اللہ جانے کیا کھایا کیا نہیں۔ میں نصیبوں کی جلی سوتی رہی، اب جانے کب آئے؟" ایک سے ایک خیال آتا تھا اور نئے سرے سے ان کے دل میں ہول اٹھتے تھے۔

"بڑے بڑے تالاب ہیں کہیں بچی سمیت جان دے دی تو ڈھونڈے سے لاشیں بھی نہ ملیں گی" پھر توبہ توبہ کرتیں ـــــ میری عقل پر پتھر پڑیں۔ جنے کیسی بری بری باتیں سوچ رہی ہوں ـــــ مریں اس کے دشمن ـــــ اٹھارہ انیس سال کی عمر بھی کوئی مرنے کی عمر ہوتی ہے ـــــ مجھ دکھیا کو چھوڑ کر مرے گی کیسے ـــــ اسے پتہ نہیں کیا کہ ایک وہی ہے میری ـــــ پوری دنیا لوگوں سے بھری ہوئی ہے ـــــ لیکن میری اپنی تو بس وہی ایک ہے۔ وہ کیسے مجھے چھوڑ کر

چلی جائے گی ــــ آجائے گی۔

وسوسوں میں ایک دن گزرا ــــ روتے بلکتے دوسرا دن گزرا ــــ پھر سر پیٹتے اپنے آپ کو نوچتے تیسرا دن گزرا، اور پھر دن گزرتے ہی چلے گئے اور روتے روتے زمانی بیگم کی آنکھیں دھندلی ہوتی گئیں لیکن حیا کو نہ آنا تھا نہ آئی ــــ عمر ڈھل گئی تھی لیکن زمانی بیگم کی اپنی ایک ادا تھی ــــ ایک انداز تھا ــــ ایک ٹھسہ تھا۔ محفل میں جس جگہ بیٹھ جاتیں لگتا کہاں بیٹھی ہیں ــــ خضاب کئے ہوئے سیاہ بال ــــ کمان کی ہوئی بھویں ــــ گہرا گہرا کاجل، پوڈر غازہ سے سرخ و سفید چہرہ، ہونٹوں پہ لالی اور اس کے اوپر مستی کی اودی اودی دھڑی ــــ ہلکا پھلکا زیور۔ ناک میں ہیرے کی لونگ، لشکارے مارتی ہوئی ــــ کانوں میں موسم کے پھولوں کے بالے ــــ بھر بھر چوڑیاں ہاتھوں میں ــــ انگلیوں میں سجاوٹ کی انگوٹھیاں ہلکی ہلکی، تال اور ٹھیکے دینے کے لئے بھاری سونے کی انگوٹھیاں الگ ــــ شادی بیاہ کا موقع آتا تو پپوٹوں کے اوپر اور آنکھوں کے نیچے ہلکی ہلکی افشاں بھی چن لیتیں ــــ بڑی متوالی اور ایمان کو زیروزبر کردینے والی آنکھیں تھیں ــــ اور اس پہ مستزاد ہنسی ــــ لوگ ہونٹوں سے ہنستے مسکراتے ہیں، اور وہ آنکھوں سے یہ کام لیتی تھیں ــــ اسی لئے جس کونے میں بیٹھ جاتیں وہ کونہ ہنسنے لگتا ــــ کہنے والے کہتے: "اس عمر میں بھی ماں چاہے تو بیٹی کا گاہک ترڑالے ــــ"، ایسی چھب تھی کبھی چوڑی دار، کبھی غرارے ــــ

لیکن اب وہی دمکتی چمکتی زمانی بیگم تتر بتر ہوگئیں ــــ خضاب چھوٹا تو یہاں وہاں سے سفید سفید بادل جھلکنے لگے ــــ کاجل والی آنکھیں روتے روتے دیئے میں پڑی بتی کی طرح چندھی ہوگئیں ــــ غازے پوڈر سے اجلاتے گئے گال آنسو پونچھتے پونچھتے چندیوں اور دھجیوں کی طرح لٹک آئے ــــ کہاں تو جس جگہ بھی بیٹھ جاتی تھیں وہ کونا بھرا بھرا ہنستا بستا لگنے لگتا تھا، اب پائنتی پڑی مڑی تڑی دُلائی کی طرح کہیں بھی پڑی رہتیں تو

لوگوں کو نظر بھی نہ آتیں ــــ لڑکیوں بالیوں نے یہ ولیرے دیکھے تو پہلے ہی کون سا اچھا رہتی تھیں اب تو بالکل ہی کونے میں ڈال دیا ــــ چوک کے اس جگمگاتے کوٹھے کی وہ رُت ہی بدل گئی۔

کہنے والے غلط نہیں کہتے کہ رنڈی ہوتی تو سدا سہاگن ہے لیکن ایسی سہاگن کہ بُرا بھلا وقت پڑے تو کوئی سہاگ ایسا نہیں ہوتا جو وقت پر سہارا دے ــــ بیمار پڑے تو تیمارداری کرے، بوڑھی ہو تو خدمت کرے ــــ جس طرح دولت آتی ہے، ایسے ہی جاتی بھی ہے ــــ زمانی بیگم کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایسے تیسے اور ٹھسے کی ایسی زبان چلانے والی عورت یوں دھول مٹی ہو کر کونا پکڑ لے گی ــــ اُن میں تو اُٹھنے بھر کا بھی دَم نہیں رہ گیا تھا ــــ چاروں پانچوں لڑکیوں نے صلاح مشورہ کر کے پورا جمع جتھا قبضے میں کیا اور نئے نئے ٹھکانوں پر جا کر بیٹھ گئیں ــــ غفورا سدا کا کھگوڑا تھا۔ بار بار بھاگتا ــــ بار بار چھمّن خاں پکڑ پکڑ کر لاتے کہ بیگم صاحبہ کو باہر کے سودا سلف کی آسانی تھی۔ اب وہی ڈھے گئیں تو کون بازار کا کوڑی پھیرا کرواتا ــــ کریمن کو صابرہ اپنے ساتھ لگا لے گئیں ــــ ظہورن تو ہمیشہ سے باورچی خانے کی سلطنت کی ملکہ تھیں۔ کبھی تو اِدھر سے دَم نہ دَھرا ــــ اس اللہ کی بندی کو تو یہ تک بھی معلوم نہ تھا کہ رات ہوتے ہی یہاں کیسے دِن نکل آتا ہے اور کیسے کیسے سُہاگ چڑھتے اور بن براَت دُولہے آتے ہیں۔ وہ اپنی بیگم صاحبہ کی دی ہوئی باورچی خانے سے لگی کوٹھری میں بے حد مگن رہتی ــــ بلا ضرورت نہ بیگم صاحبہ سے بات کرتیں نہ کسی اور سے ــــ ہاں خود سے جی چاہتا تو تبصرے پہ تبصرے حالاتِ حاضرہ پر کئے جاتیں ــــ بیگم صاحبہ کے بیمار پڑ جانے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا ــــ جانے والیوں نے البتہ ساتھ لے جانے کی پیشکش کی تو خوب غصہ ہو کر بولیں :

"تم حرام خورنیاں جاتے ــــ جاؤ ــــ اُنوں میرے کو جیتے جی کھانے کو ملتا

دیتیے، پہننے کو کپڑا ـــــ مرنے پہ زمین کا ٹکڑا بھی دیں گے ہور کفن کا لٹھا بھی ـــــ'' بھائیں بھائیں کرتے گھر میں صرف ایک چھمن خاں تھے جو صحیح معنوں میں بیگم صاحبہ کے غم خوار تھے۔ پکڑ دھکڑ کر زبردستی چند نوالے کھلا دیتے ـــــ وہ تھوک تھوک دیتیں ـــــ یہ موُنہہ صاف کرتے ـــــ ذرا ہوش میں آئیں اور طاقت پائیں تو اُٹھ اُٹھ کے گلی میں بھاگتیں ـــــ ایک ایک کو پکڑ کر غور سے دیکھتیں اور پوچھتیں :

''تم حیا تو نہیں ؟''

''تم نے میری بیٹی کو تو نہیں دیکھا ـــــ ؟'' محلّے میں سارے لوگ ان کی بپتا سے باخبر تھے، کوئی کچھ نہ کہتا ـــــ لوگ ترس کھا کر ہٹ جاتے ـــــ راستہ چھوڑ دیتے ـــــ چھمن خاں انہیں پکڑ کر گھر لاتے ـــــ موُنہہ دُھلاتے ـــــ ظہورن سے کہہ کر کپڑے بدلاتے ـــــ بیگم صاحبہ کی ایسی حالت دیکھ کر ظہورن نے اب باورچی خانے سے آگے بڑھ کر گھر سنبھالنا بھی شروع کر دیا تھا ـــــ اپنی بیگم صاحبہ کی حالت دیکھ کر وہ بھی آدھی رہ گئی تھیں ـــــ زمانی بیگم ذرا حواسوں میں آئیں تو چھمن خاں اور ظہورن کو دِل کی بپتا سُنانے بیٹھ جاتیں ـــــ وہ حیا کی ساری تباہی کا ذمّے دار خود کو سمجھتی تھیں اسی لئے اتنا کُڑھ بھی رہی تھیں ـــــ کیا لڑکیاں، ان کے طبقے اور ماحول کی لڑکیاں گھروں سے نہیں بھاگ جاتیں، تو کیا بھاگنے والی لڑکیوں کے پیچھے مائیں یونہی اپنے آپ کو تباہ کر لیا کرتی ہیں ؟ وہ سوچتیں ـــــ نواب کو ساری ڈھیل میں نے دی ـــــ حیا کو بنا سنوار کر، اس کے پاس تنہائی میں نواب کو بھیجا ـــــ جوان لڑکی ـــــ خوب صورتی، تنہائی اور قدرتی شرم۔ ساری چیزوں نے مل کر نواب کو پاگل کر دیا اور وہ دِل سے گزر گیا ـــــ لوگ کوٹھوں پر نماز پڑھنے نہیں آتے ـــــ وہی کرنے آتے ہیں جو نواب نے کیا ـــــ لیکن میں چاہتی تو عین نکاح والے دِن بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر نواسی کو گود میں دے کر سارے حیدرآباد کے سامنے ناک نیچی کروا سکتی تھی ـــــ لیکن یہاں بھی میری ہی خود غرضی کام آئی ـــــ میں نے سوچا

گھر کی آمدنی گھر ہی میں رہے گی ــــــ ٹالتی گئی ــــــ یہ نہ سوچا کہ میری معصوم گڑیا اس سود و زیاں کو اپنے جی کا روگ بنالے گی ــــــ بھلے نواب شادی کر کے تین طلاقیں دے دیتا، یہ اس کا اپنا مقدر ہوتا جو وہ خود بھگت لیتی ــــــ لیکن میں تو اس قتل میں خود کو ملوث نہ پاتی ــــــ اب تو ایسا لگتا ہے کہ یہ قتل ہے اور اس قتل کے چھینٹے میرے ہی دامن پر ہیں ــــــ" پھر وہ چلا چلا کر رونے لگتیں ــــــ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دُعا کرتیں، بین کرتیں ــــــ اپنا مقدمہ اپنے اوپر والے کے رُوبرو پیش کرتیں۔

"اے مالک تو صاحبِ بصارت ہے ــــــ دُور بیٹھا ہے لیکن بڑا بصیر ہے ــــــ دیکھ لے یہ زندگی تیری ہی دی ہوئی ہے ــــــ تو قادرِ مطلق ہے ــــــ سب کے نصیب تو ہی بناتا ہے ــــــ میرے نصیب بھی تو نے ہی بنائے ــــــ میں اپنے نصیب کی کاتب ہوتی تو یہ سب دربدری، یہ آلام، یہ گناہ کی زندگی کیوں لکھتی ــــــ چین آرام کی سکھ بھری زندگی نہ چنتی ــــــ؟ اپنے ہاتھوں خود بننے والا رہتا تو کوئی انسان آج بدصورت ہوتا نہ غریب ہوتا نہ بدنصیب ہوتا ــــــ یہ سب تو تیرے ہاتھ کے کھیل ہیں مالک ــــــ تیرے لکھے کو ہم لوگ بھوگ رہے ہیں، تیری دُنیا کے راز تو ہی جانے ــــــ لیکن میرے مولا تو جو دُنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی نصیب کا لکھا لکھ دیتا ہے تو میں گنہ گار کیسے ہوئی، یہ تو تیرا اپنا لکھا تھا جو میں نے پورا کیا ــــــ اس میں میرا اپنا قصور اور گناہ کہاں ہوا ــــــ میں اندھی تھی تو نے ہاتھ میں جو لاٹھی تھما دی اسے پکڑ کر میں چلتی گئی ــــــ پھر میرے سر یہ رُسوائیاں کیوں ــــــ جو رُسوائیاں تو نے دے بھی دیں تو یہ دل حساس کیوں دیا ــــــ ساری زندگی ہی گناہوں اور بے حسی میں گزارنے کا حوصلہ بھی دے دیا ہوتا ــــــ احساسِ گناہ کیوں دیا ــــــ معافی اور توبہ کی خواہش کیوں دی ــــــ اور جب دے ہی دی تو معاف کرتا کیوں نہیں ــــــ اور جو معاف نہیں کرنا چاہتا تو یہ زندگی کی سزا ختم کر دے ــــــ" وہ دھاروں دھار روتیں ــــــ میں ہار گئی رے مالک ــــــ ہار گئی ــــــ"

نواب شوکت کے محل سے جب صاحب زادے پاشا کی ولادت کے لڈو اور ناچنے گانے کا نیوتہ دینے۔ دیوان جی ــــ خواجہ سرا اور دربان پہنچے ہیں تو زمانی بیگم کے کوٹھے پر اتو بول رہے تھے ــــ بڑی دستکیں دینے کے بعد ظہورن باہر نکلی ــــ

"کیوں بڑی بی ــــ زمانی بیگم کا کوٹھا یہی ہے نا ــــ" کسی نے پوچھا ــــ

ظہورن کو تو آج تک زمانی بیگم کا نام ہی معلوم نہ تھا ــــ ان کے لئے تو وہ صرف بیگم صاحبہ تھیں ــــ بولیں:

"بابو پوچھو ــــ میرے کو نئیں معلوم ــــ" پڑوس کے دروازے پر گئے ــــ ایک بڑے میاں نکلے۔

"کیوں حضرت ــــ زمانی بیگم یہاں پر ہی رہتے تھے نا؟" دیوان جی نے پوچھا۔

"وہ دہلی والی ــــ"

"دہلی لکھنؤ تو ہم کو نئیں معلوم ــــ اتنا معلوم ہے ان کی ایک بہوت ہی بہوت خوب صورت بیٹی حیا ہوتی ــــ"

"ہاں وہی تو زمانی بیگم تھیں ــــ مرگئیں بے چاری۔ وہ افسوس سے بولے۔

"ہائیں ــــ ابھی سال بھر بھی تو نہیں ہوا وہ لوگاں محل پہ ناچنے گانے آئے تھے۔

بڑے میاں ذرا جزبز ہو کر بولے۔

"جناب ــــ آپ سال بھر کی بات کرتے ہیں ــــ آپ تو مجھے اتنا ہی یقین دلادیں کہ اگلے لمحے تک ہی آپ زندہ رہ جائیں گے ــــ ارے جناب یہ اس مالک کے کھیل ہیں وہی جانے ــــ"

دیوان جی تاسف سے بولے ــــ "لیکن ہوا کیا تھا ــــ؟

"جی بس ان کی صاحب زادی حیا مع اپنی شیر خوار بچی کے اچانک لاپتہ ہو گئیں بہت تلاش کروائی، کچھ پتہ نہ چلا ــــ اسی غم میں جان سے گزر گئیں۔

"ان کے گھر کے دوسرے لوگاں ـــــ اور سازندے ؟"

"گھر کے اور لوگ تو کہیں اور جا کر بس گئے ـــــ رہے سازندے ـــــ تو ایک بڑے حضرت رہ گئے تھے بس ـــــ اتنے وفادار تھے کہ جس دن بیگم صاحبہ مری ہیں اس دن سے مارے غم اور صدمے کے زبان ہی بند ہوگئی تھی ـــــ اور بالآخر اسی غم نے انہیں بھی وہیں پہنچا دیا، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا ـــــ" ماحول پر عجیب عبرت ناک سناٹا چھا گیا تھا ـــــ

شوکت محل میں جشنِ ولادت اپنے عروج پر تھا ـــــ ایک تو نواب شوکت نے شادی ہی عام نوابوں کے حساب سے ذرا دیر سے کی تھی۔ اس لئے اماں حضور کو اولاد ہوتے نہ ہونے کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا، لیکن جب خدا کے فضل سے شادی ہوئی تو ابھی پانچ جمعے بھی نہ گزرے تھے ـــــ جمگیاں بھی نہ ہوئی تھیں کہ بہو پاش حمل سے ہوگئیں محل میں مل بیٹھنے والیاں مونہہ پلوؤں اور آنچلوں میں چھپا چھپا کر ہنستی اور آپس میں بولتی تھیں ـــــ

"ایگو ماں ـــــ پہلی رات کو اچ حمل رہ گیا کیا ہے کی ـــــ ؟"

"برو برا ایسا اچ ہُوا ہوئیں گا ـــــ دُلہن پاش کے پھول آئے ہوئیں گے ـــــ شادی کی رات پڑتی سو اُنوں اُسی دن پاکی کا نہانا نہائے ہوئیں گے ـــــ پھر دوسرے دن مرد سے مِل کر اُنوں بستر کا پانی نہاتے ہو سمجھو یہی اچ رات کو استقرار ہو گیا۔"

"توبہ توبہ ماں ـــــ کیا بُرے بُرے باتاں کرتے جی تمے رانڈاں ـــــ کوئی چھوکریاں سُنتے تو ـــــ"

"آج کل کے چھوکریاں کو سب معلوم ہے ـــــ" دھیرے دھیرے یہ باتیں اماں حضور کے کانوں پر بھی گئیں اور جو بے اولادی کا دھڑکا اُن کے تن کو لگا تھا

اللہ نے دُور کیا ـــــــ

"آپ خوا ئی نخوائی فکر کرتے پاشا ـــــــ"، خواصوں میں سے ایک بولی "میرے کو معلوم ـــــــ منی بولی تھی ـــــــ اُنے سرکار کے کمرے میں غلطی سے ایک رات کو چلی گئی تھی تو اس کو دائی ماں کی ضرورت پڑ گئی تھی دو مہینے کے بعد ـــــــ ہو ـــــــ" اب نا اصل ماما کنیزوں کی بات کا کیا اعتبار ـــــــ لیکن جب خود بھی پاشا کو بے ڈھنگی چال چلتے دیکھا تب اماں حُضور کا دِل دِل میں آیا ـــــــ پھر خُدا کی عظیم قدرت دیکھو کہ پہلی بار ہی بیٹا ہوا ـــــــ ایسی خوشی کے موقعے پر جتنا بھی بڑا جشن ہوتا کم ہی تھا ـــــــ کوئی اجنبی آنکلتا تو یہی سمجھتا کہ یہاں کوئی شادی رچی مچی ہے ـــــــ وہ سجاوٹ تھی کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جارہی تھیں ـــــــ باہر یہاں سے وہاں تک شامیانے لگے ہوتے ـــــــ لانوں میں جتنے درخت پودے تھے سبھوں میں ننھے ننھے قمقمے لگا دئے گئے تھے ـــــــ سُرخ رنگ کے، ہرے رنگ کے ـــــــ دور سے ایسا لگتا تھا کہ جھاڑوں اور پودوں میں پھول پتّے چمک رہے ہیں ـــــــ رنگین اور چمک دار پنیوں کے پھول پتّے شامیانوں کی جھالروں پر لگائے گئے تھے ـــــــ اندر گدیلوں پر سفید چاندنیاں، ان پر مسندیں ـــــــ گاؤ تکئے ـــــــ ہال الگ سجا ہوا ـــــــ آج مہمانوں کا کوئی حساب نہ تھا ـــــــ گانے، ناچنے والوں کے لئے بھٹیارے الگ ایک سے پکوان پکا رہے تھے ـــــــ اندر معزز مہمانوں اور خاندان والوں کے لئے سارے محل کے باورچی جُتے ہوتے تھے ـــــــ مراثنیں زچہ گیریاں گا رہی تھیں ـــــــ

"اجی سونف مکھانے کیوں نئیں لائے" ـــــــ "اجی میں بھول گیا تھا ـــــــ" ایک میراثن دوسری کو ٹہوکا دے کر بولی۔

"اگے سونف ٹھنڈی رہتی گے ـــ زچگی جاپے میں سونف نئیں سونٹھ دیتے ـــــــ سونٹھ مکھانے کا ـــــــ" دوسری نے جلدی سے ٹکڑا لگایا: "سونٹھ مکھانے کیوں

لائے ـــــ اجی میں بھول گیا تھا ـــــ اجی میں بھول گیا تھا ـــــ' یہ تو زچہ گیریوں
کی بات تھی ـــــ لیکن دراصل آج نواب شوکت ایک بھی چیز لانا نہیں بھولے تھے ـــــ
آج وہ اس درجہ خوش تھے کہ ان کے ہونٹ مارے ہنسی کے مِل نہیں پا رہے تھے ـــــ بس
مونہہ کھلا کا کھلا ہی رکھا تھا ـــــ میوے سے لے کر زر زیور کپڑا لتّا ـــــ انہوں نے
تو محل میں بازار سجا دیا تھا ـــــ میوے ـــــ ایسے ایسے میوے یہاں سے وہاں تک
بادام کی گریاں ـــــ منقے، کاجو، پستے، کشمش، خرمے، چھوارے، چرونجی، خشخاش، کھوپرے،
چلغوزے، اخروٹ کے ڈھیر کے ڈھیر لگے رکھے تھے ـــــ لونگ، الائچی، جائفل، سپاری
چکنی، مکھانے، سونٹھ، جوز، جاوتری، زرملی، ایک۔ ایک میوہ اور مسالہ چُنا رکھا تھا کہ بہو
پاشا چالیس دِن تک بتیسے کے لڈو کھائیں، جو بتیس میووں مسالوں سے مِل کر تیار ہوتا
تھا کہ جب چلّہ نہا کر اٹھیں تو چاق و چوبند اٹھیں کہ دوسرے بچے کا وزن ہنسی خوشی جھیل
سکیں ـــــ چھ ماہ تک یہ لڈو کھلائے جائیں گے ـــــ صبح ہی صبح وہ دودھ زعفران اور
پسے ہوئے باداموں کے ساتھ اصلی گھی سے بگھار کر الگ پلایا جائے گا کہ بچے میں مردانہ
صفات اور اوصاف جلد سے جلد پیدا ہوں ـــــ بھئی قسمت والیوں کو پہلوٹھی کے بچے
اللہ عنایت کرتا ہے ـــــ بٹیا پہلا ہو تو باپ کا بازو بنتا ہے ـــــ کام کاروبار سنبھالتا
ہے ـــــ زندگی کا بوجھ اٹھا لیتا ہے ـــــ یہاں کون سے بوجھ اٹھانے تھے ـــــ
نواب شوکت خود کون سے بوجھ ڈھوتے آئے تھے ـــــ لیکن بیٹے کا باپ بننا ہی کچھ اور
ہوتا ہے ـــــ ایک غرور سا، نشہ سا رگ و پے میں بھر جاتا ہے۔

دادی الگ پھولوں نہیں سما رہی تھیں ـــــ رہ رہ کر بہو بیگم اور پوتے پر واری
بلہاری جا رہی تھیں ـــــ دلہن پاشا نئے سرے سے دلہن بنی بیٹھی تھیں ـــــ ایسا سنگھار
تھا کہ دلہنوں کو شرم آجائے ـــــ وہ نور اترا تھا کہ چاند بدلی میں چھپا چھپا جاتے ـــــ
سچ ہے عورت پر تین بار ہی تو نور اترتا ہے ـــــ شادی کے دن ـــــ ماں بننے کے

دِن اور سُہاگن مَرے تو موت کے دِن ——
یہ ماں بیٹے کا نُور تھا، جو دن گزرنے پہ بڑھتا ہی جاتا ہے ٭—— اور آج تو دس ہی دن ہوتے تھے —— ابھی تو چہرے کو چودھویں کا چاند بنتا تھا، پھر بھی جو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا —— مرداتے سے لے کر زنانے تک ایک ایسی رونق لگی ہوئی تھی کہ دیکھے سے جی نہ بھرتا —— اپنے چاندی کے چھپرکھٹ پہ دُولہن پاشا آدھی لیٹی، آدھی بیٹھی، سارے ہنگاموں سے لُطف اندوز ہورہی تھیں —— پاس بیٹھی سُسرالی، رشتے دار نندوں لڑکیوں کی باتیں مزے لے لے کر سُن رہی تھیں —— اسی دم باہر سے ساز چھیڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔

"اے بے اب تو گانا ناچنا ہوئیں گا —— چلو چلمنوں کے پیچھے سے تماشا دیکھیں گے —— لڑکیوں میں شور مچا ——

"اونہہ چلمنوں کے پیچھے سے کائے کو —— دروازوں کے پاس سے جھانکیں گے جی —— اتنے لوگاں میں کون کس کو دیکھنے چلا ——" اپنا آپ نمایاں کرنے کی ادا عورت ذات میں جانے کتنی پُرانی ہے ——

"ایسے جوتے پڑیں گے —— اُمّی حضور کی ڈانٹ معلوم نئیں کیا —— ؟"

"ڈانٹنے دیو —— روز روز ایسے موقعے تھوڑی آتے —— پھر کتے خوب صورت خوب صورت ناچنے گانے والیاں ہیں —— اَبا!" کوئی سینہ تھام کر بولی۔

"اَئی چلو ماں —— کوئی خوب صورت نہیں اتے —— مَیں غور سے دیکھی۔ اُجاڑ کیا کیا تو بھی مونہہ پہ تھوپ تھوپ کرا تیاں ہورا تا زرزیور پہنے تو نئیں لگتا کیا واہ انسان بھی خوب صورت لگتا ——"

"بے فضول کے باتاں کرو نکو —— وہ حیا اتا اَن (طوائف) کیسی خوبصورت تھی اَبا —— مَیں بھی بولیتوں اُس کے مونہہ پہ نظر نئیں ٹھیرتی تھی —— کیا چاند

سُورج کے وَیسا چہرہ تھا ——"

"وہ اس واسطے تھوڑی خوب صورت لگتی تھی کی اُنے زر زیور ہور سنگھار بہوت کرتی تھی —— آگے وہ تو بات ایچ کچھ اور تھی ——" ایک راز داری سے بولی۔

"کیا بات تھی ——" دوسری دو چار نے تجسس سے پوچھا۔

"اَگے وہ نواب صاحب کو چاہتی ہوئیں گی" پہلی والی نے فیصلہ سنا دیا۔

"چل کے پاگل کدھر کی —— تیرے کو معلوم بھی پڑگیا جیسا ——"

"پھر کیا عورت کی نظر چھپتی نئیں ——"

"مرد کی بھی کہاں چھپتی ——"

"ہور —— وہ تو بی ایچ —— یاد نئیں کیا نواب صاحب بھی اُس کو کیا دیکھ لے رہے تھے —— اَبا —— کیسے نظراں سکتے کی بس ——"

"آج آئیں گی تو مزہ آئیں گا نا ——"

"آج وہ نئیں آئیں گی ——"

"کائے کو —— ؟" بہت ساری آوازوں نے بیک وقت افسوس اور تجسس سے پوچھا ——

"وہ بلدہ چھوڑ کو چلی گئی بولتے ——"

"بلدہ (حیدرآباد) چھوڑ کر ایچ چلی گئی —— ؟ مگر کیوں —— ؟"

"اللہ معلوم —— باہر دو چار لوگاں بات کر رہے تھے، گلابو پان لے کر گئی تھی تو سن کر آئی —— وہی ایچ میرے کو بولی ——"

"اُنے ہوتی تو بہوت اچھا رہتا تھا نا —— کتّا اچھا گانا گاتی تھی نا ——"

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ ان کی قبر پہ ہے اور نشاں کچھ بھی نئیں

دُلہن پاشا نے ہولا کر اپنے سر پر جگمگاتے فانوس کو دیکھا —— اپنے اطراف بکھرے ہوئے رنگ و نور کے سیلاب کو دیکھا —— بڑے اطمینان سے سُوئے اپنے ننھے مُنے نیچے کو دیکھا، ان کا دِل وہل گیا —— چاندی کے چھپر کھٹ پر بیٹھے بیٹھے ان کا وجود ہل گیا —— دھیرے سے اپنی خلیری نند کو پکارا ——

"شرفو ماں —— "، شرفو لپک کر آئی۔

"جی بھابی پاشا —— "

"بی بی ذرا اپنے بھائی پاشا کو بُلا کر لاتے —— "

"ابھی لائیوں بھابی پاشا —— " اور وہ اپنا کرن ٹکا ہرا دوپٹہ سر پر جماتی تیزی سے مردانے کی طرف لپکی ——

تواجہ سرا زنانے سے نیوتہ لے کر مردانے میں پہنچے —— شوکت نواب دوست احباب و مصاحب اور ملنے جلنے والوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ پانوں کے دور چل رہے تھے ابھی ناچنے والیوں نے گھنگرو نہیں باندھے تھے —— تال دینے والیوں نے چوڑیاں پیچھے کھسکا کر آستینیں نہیں اُٹھائی تھیں —— سازوں کو کھنگالنا شروع ہو چکا تھا —— ڈھولکیوں کے کردوڑے کسے جا رہے تھے —— طبلوں کی ڈگیاں اور گٹیاں ٹھونی جا رہی تھیں —— ڈگیوں کو تھپ تھپا کر —— اور گٹیوں کو نیچے اوپر سرکا کر طبلوں کو سُر کیا جا رہا تھا —— ہارمونیم بجانے والے پردوں کو اپنے کلیجے سے دور، پرے کر کے اپنے فن کو آزما رہے تھے —— ڈھول، تاشے سازنگی، دَف گھنگرو —— ماحول گونج رہا تھا —— جگمگا رہا تھا —— ایسے رنگین ماحول سے اُٹھ کر جانا نواب شوکت کو کھل گیا، لیکن بلاوا دُلہن پاشا کا تھا —— جنہوں نے اس ہنگامے کو جنم دیا تھا —— ایک بیٹے کی ماں کا بلاوا —— وہ جھومتے ہوئے اُٹھے —— اپنے وزن کو سنبھالنے میں، بیٹھے سے کھڑے ہونے میں، خون ان کے تر و تازہ چہرے پر چھلک چھلک اُٹھا —— قدم قدم پر سینکڑوں نگاہیں

اُن کے سراپے پہ فدا ہونے لگیں ـــــ

دُلہن پاشا تک پہنچے تو چہرہ مردانے سے زنانے تک کا لمبا جگمگاتا فاصلہ طے کرنے میں ہلکے ہلکے پسینے سے چمک اُٹھا تھا ـــــ اتنا خوبرو مرد ہو تو کسی اتائن کا کیا ہے، سات پردوں میں رہنے والی کبھی جی ہار سکتی ہے ـــــ دُلہن پاشا نے بڑے انداز سے پوچھا:

"میرے بُلانے پر غصہ تو نئیں آیا آپ کو ـــــ" وہ خوش دلی سے ہنسے۔

"آپ تو زندے کو بُلاتے ـــــ مرے کو بھی بُلاتے تو ہم قبر سے اُٹھ کر آجاتے"

"اللہ مر جاؤں ـــــ" دُلہن پاشا گالوں کو چھلے اور انگوٹھیوں بھری انگلیوں سے ہولے ہولے مارتی ہوئی بولیں۔ کیسی بُری زبان ہے کالے جی آپ ـــــ اللہ نہ کرے کی آپ چھاؤں کو بھی کچھ دھکا لگے ـــــ" وہ زور سے ہنسے۔

"اچھا یہ تو بتایئے کہ یہ بے وخت یاد کیسے کئے آپ ـــــ" بھولی بھالی بیگم نے دل کے دبدھے کو چھپائے بغیر صاف سیدھے انداز میں پوچھا۔

"آپ خود تو حیا اتائن کا گانا شوخ سے سُنتے مگر ہم کو کبھی نہیں سُناتے ـــــ"

نواب شوکت نے دماغ پہ زور ڈالا ـــــ کچھ دیر ماتھے پر انگلی ٹکا کے سوچتے رہے، پھر بولے:

"حیا ـــــ؟ حیا کون ـــــ؟"

دُلہن پاشا کے دِل کو قرار آگیا ـــــ نواب صاحب کے چہرے پہ بناوٹ کا نام نشان تک نہ تھا ـــــ جو مرد ماضی میں برتی ہوئی عورتوں کو اس آسانی سے بھول جاتے ہیں کہ ماتھے پر انگلی ٹکا کر دیر تک سوچنے پر بھی یادوں کے اُفق پہ کوئی چاند نہ جگمگائے وہ بڑے اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں ـــــ وہ مُسکرا کر بولیں:

"آپ کو کبھی تک یاد نئیں آیا ـــــ؟"

اس بار انہوں نے "آہا ـــــ اچھا ـــــ وہ" کہہ کر بڑے خلوص سے

اعتراف کیا ——، ہاں یاد آ گیا —— ایک بار یہاں محل میں آئی تھی —— ہم ہی بلوائے تھے —— سچی بہوت ہی اچھی آتا ئن تھی —— ناچتی بھی خوب تھی —— گاتی بھی خوب تھی —— وہ اطمینان سے چاندی کے چھپر کھٹ پر ٹانگ لٹک گئے —— جوتے سمیت پاؤں اٹھا کر اوپر ہی رکھ لئے اور مزے مزے سے سنانے لگے ——

'' اصل میں اس کی ماں جو تھی نا، وہ ناچنے گانے کے اور بجانے کے فن سے بھی بہت اچھی واقفیت رکھتی تھی —— اُن ماں بیٹی کے سازندے بھی خوب تھے —— ان لوگوں کا طریخہ کیا تھا معلوم —— ان کے اُستاد طبلے کے بڑے اچھے اُستاد تھے —— ناچنے سے پہلے اُنوں کوئی بھی ایک تال خوب دیر تک بجاتے تھے —— اب ہم تو اتی باریکی سے نہیں سمجھ سکتے نا —— کبھی کو وہ جھپ تال بولتے تھے —— کبھی کو تال واہ! —— اور بھی اللہ معلوم کیا کیا —— پھر جب گھنگنے والے دھا دھا دھا اور تن تن اور بھی نئیں معلوم کیا سُن کر مست ہو جاتے تھے تو وہ بہت سارے سازاں بجا بجا کر اپنی بیٹی کو —— ہمارا مطلب ہے وہ ماں اپنی بیٹی کو نچانے کو کھڑا کر دیتی تھی —— آپ پوچھنا یہ سب لڑکیاں دیکھے ہوئیں گے ضرور ——'' انہوں نے پاس، دور کھڑی لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے بڑے خلوص سے کہا

'' ہور وہ گانا بھی بہت اچھا گاتی تھی —— ؟''

'' گانا تو گانا —— آواز اِتی اچھی تھی کی ہم کو مثال یا تشبیہہ بھی نہیں سوجھتی —— سچی اس معاملے میں تو آپ بدنصیب ہیں ——'' وہ چھپر کھٹ پہ رکھے خاصدان میں سے ایک سونے کے ورق میں مڑھی گلوری موہنہ میں ڈال کر تکیے کے گال کو اُنگلی سے چھونے اور بجنے لگے —— مرد اگر کسی عورت کے ذکر پہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے، آنکھیں جھپکانے لگے —— ذکر سے کترانے لگے یا جان بوجھ کر اس موضوع سے دور بھاگنے لگے تو سمجھو کہ پانی مرتا ہے —— اور یہی چیز خطرے کی علامت ہے لیکن جب کوئی مرد کسی غیر عورت

کے بارے میں بڑے کھلے دل سے بات کرے تو سمجھو کہ واقعی اس کا دل کھلا ہے۔ اس میں کچھ بھی نہیں ـــــ کم سے کم اس عورت کے متعلق تو کچھ بھی نہیں جس کی بات اس وقت چل رہی ہے ـــــ

"کیوں میں کائے کو بدنصیب ہوں ـــــ" وہ مسکرا کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"اب یہ بدنصیبی نئیں تو اور کیا ہے کہ آپ اتی اچھی ناچنے والی کا ناچ دیکھے نہ گانے والی کا گانا سنے ـــــ"

"تو اب سُنوا دیجئے نا ـــــ"

"اب ـــــ؟" وہ 'اب' کو لمبا کر کے بولے: "ارے باوا وہ تو کدھر مر کھپ گئی خدا معلوم ـــــ" اور ایسا کہتے ہوئے وہ ذرہ بھر بھی اداس تھے نہ غم زدہ ـــــ اپنے بچے اور بیوی کے پاس بیٹھے وہ دنیا کے سب سے مطمئن اور مسرور شخص لگ رہے تھے دلہن پاشا کا دل ہر وسوسے سے پاک ہو گیا ـــــ لاڈ سے مسکرا کر بولیں:

"اوئی واہ ـــــ سلیم شاہی جوتے ہیں تو کیا خدائی تحفہ ہو گئے کہ میرے ریشمی بستر پہ اچک کے چڑھ گئے آپ ـــــ ہور اب باہر جایئے نا ـــــ ایک بات پوچھنے کو بلائی تو یہیں جم کر بیٹھ گئے۔ باہر گانا ناشتہ شروع ہونے والا ہوئیں گا ـــــ لوگاں کیا سوچیں گے ـــــ"

"لوگاں کیا سوچیں گے۔ وہ تو لوگاں سوچیں ـــــ" وہ دلہن پاشا کے دس دن کے دودھ سے بوجھل سینے کو للچائی نظر سے دیکھتے ہوئے بولے: "ہم آپ کو بتانا کیا کی ہم کیا سوچ رہیں ـــــ؟" دلہن پاشا شرم، خوشی اور فخر سے سرخ ہو کر دل ہی دل میں سوچنے لگیں۔

"موئی ـــــ یہ پوتیاں بھی ایک نمبر کے لپاٹیاں ہیں چپ چپ دل سے کچھ بھی لگا دیتا۔ کبھی میں 'اوں' کا دل اٹکا وا رہتا تھا تو اوں میرے پہ ایسا لٹو ہوتے تھے کیا ـــــ؟"

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ نواب شوکت ایک چھوڑ کئی جانوں سے اپنی دُلہن پر شیدا تھے ــــــ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ اِدھر اُدھر مونہہ مارنے والے جب گھربار کے ہوئے تو بیوی ہی کے ہو کر رہ گئے ــــــ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہر طرف کے، ہر طرح کے مزے چکھ لینے کے بعد دِل بھر سا جاتا ہے اور پھر شادی ہوجاتے تو ایک بیوی سے مطمئن ہو جاتے ہیں ــــــ اور بڑے شریف پارسا جو کسی لڑکی کی طرف نظر بھی نہیں اُٹھاتے ہوں شرافت کے ایسے دعوے دار ہوں ؛ وہ شادی کے بعد خوب کھل کھیلتے ہیں ــــــ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عورت جیسے لذیذ پھل کا ذائقہ پہلے تو کبھی چکھا نہیں ہوتا ــــــ بعد میں یہ افسوس اور پچھتاوا آتا ہو کہ "ارے واہ ایسے مزے سے یونہی محروم رہے ــــــ" اور یوں اِدھر اُدھر تڑپنا پھُدکنا شروع ــــــ

تو نواب شوکت اتنے دِنوں کنوارے رہے تھے، یونہی نہیں رہے تھے، ایکوا ایک کلی سونگھی، ایک ایک کچا، پکّا، اَدھ پکا پھل چکھا اور جب خوب مزے باغِ زندگی کے لُوٹ لئے تو چلو ماں کو خوش کرنے اور نسل چلانے شادی بھی کر ہی لو ــــــ

سو کر لی ــــــ اور اللہ نے نسل چلانے کا انتظام بھی کر ہی دیا ــــــ پہلا ہی بیٹیا دیا۔ ساس کی نظروں میں بھی بہو قابلِ عزت ٹھیریں کہ سال نہیں گزرا اور دادی بنا دیا ــــــ اور دادی بھی پوتی کی نہیں پوتے کی ــــــ اور شوہر تو بیٹے کے باپ بنا دِئے جانے پر دُلہن کے قدموں تلے قالین بن کر بچھ گئے ــــــ

لیکن یہ بھی اللہ کی شان کہو کہ پہلا تو بیٹیا دے دیا کہ بہو پاشا کی للّو تھو ہو جاتے خوب قدر عزت چاہت کی مستحق ہو جائیں، اس کے بعد تو وہ بیٹیوں کی برسات ہوئی کہ بس ــــــ تجربے والیوں نے تو یہ بات پہلے بیٹے کے نام رکھائی کے موقع پر ہی کہہ دی تھی ــــــ جب بہو پاشا گود میں بیٹے کو لے کر بیٹھیں تو بچے کے سرہانے کی طرف بڑی سلج بیٹھی ہوئی تھیں ــــــ دھیرے سے بولیں :

"اُف چھوٹے نواب کے سر میں تو ایک ہی بھنورا ہے ـــــ" انھوں نے ننھے سے بالوں بھرے سر میں انگلی گھماتے ہوئے دوسرا بھنورا ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا : "ایک بھنورا ہے تو اگلی بیٹی ہوتی ہے لڑکے ـــــ"

دوسری تائی بی تھیں جو وثوق سے بولیں : "ہو برابر بات ہے ـــــ ہم زندگی بھر سے دیکھتے آئیں ـــــ"

تیسری چچی بیگم تھیں جو مسکرا کر بولیں : "کتنی مبارک بات ہے نا ـــــ بیٹی آئی تو آنگن میں رسیوں پر رنگین کپڑے سوکھتے ہوئے دکھتے ـــــ گھر میں بہار آجاتی ـــــ"

دلہن پاشا کے منہہ پر بھی بہار سی آگئی ـــــ پہلے بیٹے کے بعد بیٹی ہو جائے تو عورت پن کے سارے ارمان پورے ہو جاتے ہیں ـــــ بعد میں خدا جو جی چاہے دیتا رہے ـــــ سو خدا نے یہ چاہا کہ بیٹیاں دیتا رہے ـــــ

دادی ماں نے ارمانوں سے پوتے کا نام سطوت رکھا ـــــ بولیں : "وہ اپنے خود بھی سر بلند ہو۔ ہورا اللہ کرو باپ دادا کا نام بھی اونچا کرو ـــــ سو سرفراز بھی اچھا نام ہے ہور ساتھ میں سرفراز کے بعد اس کے دادا حضرت کا نام لگا دیو ـــــ" مارے شرم کے انھوں نے سطوت نام نہیں لیا کہ شریف بیبیاں مرتی مرجاتی ہیں ـــــ لیکن اپنی زبان سے کبھی شوہر کا نام نہیں لیا کرتیں ـــــ لیکن دادی کے کہنے پہ نام سرفراز ہی رکھا گیا ـــــ اور شاید یہ سرفرازی اسی ایک دم کے نصیب میں خدا نے دی کہ نسل چلے تو اسی سے چراغ جلے تو اسی سے اور بڑھاپے میں منہہ میں پانی دیوانے ـــــ

نواب سرفراز پاؤں پاؤں چلے جیسے بھی نہیں ہوئے کہ دلہن پاشا پھر ابکائیوں اور الٹیوں پر پڑ گئیں۔ دودھ بڑھانا پڑا۔ ننھے منے سے نواب کی سمجھ گھٹی میں لڑکیاں پڑ گئیں ماں تو ویسے بھی نواب کی بیٹی، نواب کی بہو، نواب بیگم تھیں ـــــ پان کا ڈبہ بھی کبھی تو ڑ کر نہ دیا ـــــ بچہ تو کیا سنبھالتیں کہ ایک ایک کام پر دس دس خواصیں تھیں ـــــ ہاں دودھ پلانے

بھر کی ضرور رضا دار تھیں ـــــــ لیکن اب جب دودھ چھٹا تو ماں کا ساتھ بھی چھٹا اور بجائے بڑی عورتوں اور خواصوں کے ننھی منی چھوکریوں کی گودوں میں پلنے لگے ـــــ اس کی گود سے اس کی گود میں ـــــــ اس کی گود سے اس کی گود میں ـــــــ

نواب سرفراز چھوٹے پاشا کے نام سے نانوٹے گئے ـــــــ ہر چند کہ دادی حضور بولتیں ـــــــ "آگے اُجاڑ مارو آئے، سب سے بڑا ہے۔ اس کو بڑے پاشا بولا ـــــــ" لیکن کوئی کان نہ دیتا اور وہ چھوٹے پاشا ہی باجے ـــــــ چھوٹے پاشا بھائی بن گئے ـــــــ ننھی سی بہن ماں کی گود میں آئیں اور ماں کی خوشیاں مکمل ہوگئیں ـــــــ چھوٹے پاشا کا لاڈ دُلار ابھی بھی کرتیں ـــــــ پہلی اولاد ـــــــ پہلی محبت، اور وہ بھی بیٹا۔ کیسے بھلا دیتیں ـــــــ لیکن ننھی منی گڑیا گود میں آئی تو جیسے ساری توجہ کھینچ لی ـــــــ اور ویسے بھی نیا پیدا ہونے والا بچہ، ماں کو اپنے لئے وقف کرا لیتا ہے۔

محل میں عورتوں اور لڑکیوں کا ہی بازار تھا، لڑکے پالے تھے لیکن گنتی کے ـــــــ محل میں زنانے حصے میں مرد نوکروں کا آنا جانا کم ہی کم تھا ـــــــ کام پڑتا تو کچھ دیر کو اندر آتے پھر پاسر کے باہر ـــــــ ہاں نوکرانیوں کی دھکم پیل تھی ـــــــ چھوٹے پاشا کے آگے یہاں وہاں چھوکریاں ہی چھوکریاں ـــــــ ننھے سے مونہہ سے پہلے پہل بات کرنی سیکھی تو بالکل چھوکریوں کے انداز میں بچہ ماحول ہی سے تو سیکھتا ہے ـــــــ ان کے کانوں میں آتیوں۔ جاتیوں۔ کھاتیوں۔ سوتیوں۔ آتی۔ جاتی۔ سوتی ایسے ہی الفاظ پڑتے رہتے تھے ـــــــ اور کم بخت ماری چھوکریاں مارے محبت کے خود بھی انہیں بجائے ایک لڑکے کے، لڑکی کی طرح مخاطب کرتی تھیں ـــــــ حشمت گود میں اٹھا کر پوچھتی :

"میرے کلیجے کی ٹکڑی بے نا گے یہ ـــــ دودھ پیتی ـــــ ؟"

دھنتو اُدھر سے بولتی : "تو باغ میں گھومنے چلتی ـــــ ؟"

گلشن لپٹا لپٹا کے پیار کرتی اور پوچھتی : "تو کھانا کھاتی ـــــ ؟" سلانے سے

پہلے خوب محبت کے دورے ان چھوکریوں کو پڑتے ـــــ

"سو جاتا وہ تو ـــــ سو جاتی ـــــ ؟ پھر کب اٹھیں گی تو ـــــ چل سو جا ـــــ پھر صبح اٹھیں گی تو اپن کھیلیں گے تو کھیلیں گی نا میرے ساتھ ـــــ"

ننھے ننھے ہونٹوں اور زبان سے پہلے پہل بول نکلے تو دادی ـــــ ماں ـــــ باپ خوشی سے بے حال ہو گئے ـــــ ہنسی رکتی رکتی نہ تھی ـــــ چھوٹے پاشا کو کھانے کا کہا جاتا تو بولے ۔

"نہیں کھاتی میں ـــــ"

"دودھ پی لیو چھوٹے پاشا ـــــ"

وہ غصّے سے بولتے ـــــ "نہیں پیتی میں ـــــ"

پھر یکے بعد دیگرے بہنیں دنیا میں آنی شروع ہوئیں ـــــ پانچ بہنوں سے آنگن ایسا رنگین ہوا کہ سوائے ہرے، نیلے، پیلے، لال، اودے کپڑوں کے الگنیوں اور رسیوں پر کچھ دکھائی ہی نہ دینے لگا ـــــ بہنیں تو تھیں ہی لڑکیوں کی جون میں ـــــ وہ اپنے طور پر بات کرتیں تو بھائی اور اور بھی وہی انداز سیکھتے جاتے ۔

پہلے بیٹے تھے ـــــ پہلوٹھی کی اولاد ویسے بھی نیم چڑھی ہوتی ہے اور یہ تو پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے ـــــ کسی بات پہ روکا ٹوکا نہ گیا ـــــ جی بھر کے لاڈ میں سڑ اے گئے ـــــ اچھے خاصے بڑے بھی ہو گئے لیکن بات چیت میں وہی زنانہ پن ـــــ کبھی کبھار باپ الجھ کر بولتے بھی ـــــ

"بیٹے آپ کیا عورت بچّی کے ولیا آتیوں جاتیوں کر لیتے ـــــ" حالانکہ وہ بیٹے کے ہر انداز پر فدا تھے ـــــ تو دادی یا ماں بیچ میں پڑ کر فوراً بات کاٹ دیتیں ۔

"ابھی عمر ہچ کیا ہے ـــــ وقت پہ سب باتاں سیکھ لیں گا ـــــ" لیکن وہ وقت کبھی نہ آیا ـــــ مولوی صاحب پڑھانے کے لئے مقرر کئے گئے وہ بول تیا کر بار

گئے ـــــ یہ مان کر نہ دیتے ـــــ وہ چڑ چڑ جاتے ـــــ

"نواب صاحب آپ بچے ہیں ـــــ مرد بنیے ـــــ آپ عورتوں کے ویسی بات نہ کرو ـــــ" وہاں اتنی عقل اور تمیز ہی باقی نہ رہی تھی کہ عورت اور مرد کا فرق سمجھ سکتے ـــــ ذرا بڑے ہوتے تھے اور مدرسہ "تحتانیہ" میں داخل کئے گئے تو خود کا بھی چھٹ پن تھا اور دوسرے بچوں کا بھی ـــــ معاملہ چل گیا ـــــ وہاں سے بڑھ کر "وسطانیہ" میں گئے تو ساتھ کے لڑکوں نے ذرا ہنسی اڑانی شروع کی، لیکن روپے اور امارت کے زور پر معاملہ دبتا گیا ـــــ لیکن اصل مصیبت اس وقت آئی جب سب نچلے درجوں سے نپٹ کر "مدرسہ فوقانیہ" میں داخل کئے گئے ـــــ یہاں ایک دنیا ہی دوسری تھی ـــــ غریب، امیر بلکہ رؤسا و شرفا کے لڑکے اسکول میں پڑھتے تھے ـــــ یہاں کون ان کی امارت سے دبنے چلا تھا ـــــ اچھی خاصی عمر ہو گئی تھی، روز روتے ہوئے گھر کو آتے ـــــ ساتھ میں خادم جاتا تھا، کھانے کی چھٹی کے وقت تو وہ لڑکوں کو ڈھیلے، پتھر کھینچ کھینچ کر بار بار مارتا رہتا، لیکن کلاس کے اندر لڑکے ستانے سے باز نہ آتے۔ مولوی صاحبان، جناب صاحبان (اساتذہ) سوال کرتے۔

"سرفراز ـــــ تم کو کیا معلوم ہے کی دنیا گول ہے؟"

یہ بڑی سادگی سے جواب دیتے: "میں آج سبق یاد نئیں کری ـــــ" جناب کے رو کنے منع کرنے پر بھی کلاس روم میں ہنسی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ـــــ کلاس ختم ہوتے ہی لڑکے شروع ہو جاتے۔

"اے اے تو کل اسکول آئیں گی کی نئیں ـــــ"

"تو گھر کو شکرام میں جارئی کی پیدل جارئی ـــــ"

"آج یاد نئیں کری تھی کل سبق یاد کر کے آئیں گی کی نئیں ـــــ"

ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ سرفراز نواب گھر کے، محل کے ہی ہو کر رہ گئے بس ـــــ

مدرسے جانا چھوڑ دیا ــــ محل ہی میں مولوی صاحبان مقرر کر دیئے گئے ــــ حساب، جغرافیہ، تاریخ، اردو انگریزی ــــ سب کے الگ الگ مولوی صاحبان ــ قرآن شریف پڑھانے والے مولوی صاحب تو خیر محل ہی سے متصل مسجد میں ہمیشہ سے رہتے چلے آتے تھے جو محل کے اور بھی سبھی بچوں کو دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔

نواب شوکت کو پہلے پہل جب پتہ چلا کہ صاحبزادے مدرسہ چھوڑ چھاڑ محل میں ہی پڑھائی حاصل کر رہے ہیں تو وہ بہت بھنائے ــــ ماں سے الجھے ــــ بیوی پر چڑھے لیکن وہاں کسی نے انہیں کچھ گنا ہی نہیں ــــ دادی حضور نے تو صاف کہہ دیا:

"اجاڑ، ہم کو نئی نوکری کروانے کی ہے بچے کو ــــ اتی سر کی جان پڑلیں ہاپ میرے کو بکو ــــ مرد بچہ پڑھا سو پڑھا، نئیں پڑھا، سو نئیں پڑھا ــــ"

دلہن پاشا بولیں: "باپ سے تو زیادہ ایچ پڑھ گیا ہے ــ اب کتا پڑھانا ہور"

شوکت نواب اُن کی بات پر بجائے غصہ ہونے یا چڑنے کے مسکرا دیتے۔

یہ حقیقت بھی تھی کہ سرفراز ان سے زیادہ تعلیم حاصل کر چکے تھے ــــ صرف ایک اندازِ گفتگو نسوانی تھا ــــ ویسے اچھے خاصے ہاتھ پاؤں نکالے تھے بیٹے نے ــــ وہ تو مارے ڈر کے کہ کہیں نظر نہ لگ جائے بیٹے کو، نگاہ بھر کر دیکھتے بھی نہ تھے ــــ بڑے سے ہال میں جہاں خاندانی پرانی پرانی تصویریں لگی ہوئی تھیں، ان کی اپنی نوعمری کی جو تصاویر تھیں، عین مین سرفراز انہی کی شبیہہ تھے ــــ وہی قد و قامت ــــ وہی چہرہ مہرہ ــــ وہی بال ــــ وہی ناک کان ــــ دیکھنے والے بھی کہتے تھے: "بالکل شوکت نواب کا لڑکپن دیکھ لو ــــ"

مائیں لڑکوں کی ــــ بیٹوں کی دیوانی ہوتی ہیں اور باپ بیٹیوں پر جان دیتے ہیں، یہ ساری دنیا میں ہوتا ہے ــــ لیکن یہاں ماں تو فدا تھیں ہی ــــ خود نواب شوکت بھی بیٹے کے دیوانے تھے۔ حالانکہ وہ اپنے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہونے دیتے

تھے۔ لیکن ان کی ہر ہر سانس میں وہی وہ سمائے ہوئے تھے ۔۔۔ پہلے پہل تو انہیں بس ایسی ہی محبت تھی جیسے ایک باپ کو اپنی کسی بھی اولاد سے ہونی چاہیئے ۔۔۔ لیکن پیچھے بعد دیگرے جب بیٹیوں نے گھر ہی دیکھ لیا تو آپی آپ بیٹے سے ان کی محبت بڑھتی چلی گئی۔ پانچ بیٹیوں کے بعد اولاد کی پیدائش کا سلسلہ خدا کی طرف سے خود ہی بند ہو گیا اور نواب سرفراز اکلوتے ولی عہد ثابت ہو گئے تو نواب شوکت بس انہیں دیکھ دیکھ کر جینے لگے۔

مارے محبت کے کسی بات پر روک ٹوک نہ کی ۔۔۔ نہ اچھے پر، نہ بُرے پر ۔۔۔ ان کے زنانی نسوانی اندازِ گفتگو پر بھی نہیں ۔۔۔ اسکول چھوڑ دیا اس پر بھی کچھ دل سے خفا نہ ہوئے ۔۔۔ اندر والا دل ہی ان کی کسی بات پر غصہ نہیں کرنے دیتا تھا ۔۔۔ لیکن اب جیسے جیسے سرفراز نواب بڑے ہوتے جا رہے تھے ۔۔۔ باپ کی بے پناہ محبت میں ایک فکر بھی شامل ہوتی جا رہی تھی ۔۔۔ پہلے تو انہیں سرفراز کا اندازِ گفتگو ہی نسوانی لگتا تھا، لیکن ادھر کچھ دنوں سے وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے سبھی انداز نسوانی ہیں ۔۔۔ بات کرتے میں لڑکیوں کی طرح نیچے دیکھنا ۔۔۔ کسی بھی بات پر شرما جانا ۔۔۔ مردانے میں مرد مہمانوں کی موجودگی میں شرمانا جھجکنا ۔۔۔ اس کے برخلاف چھوکریوں لڑکیوں اور کام کرنے والی خواصوں میں بہت اطمینان اور دلجمعی سے اٹھنا بیٹھنا ۔۔۔ مگر بے تکلفی ان سے بھی نہیں ۔۔۔

"کہیں ۔۔۔ کہیں ۔۔۔" وہ ڈر کر سوچتے اور اپنے خیال کو خود ہی جھٹکتے۔ "کہیں صاحب زادے نام کے تو مرد نہیں ہیں ۔۔۔؟ اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو پھر ہماری زندگی میں کیا رہ جائیں گا ۔۔۔ نہیں مولیٰ نہیں تو اتنا ظلم نہیں کر سکتا ۔۔۔"

اور اس دن اپنی خواب گاہ میں لیٹے لیٹے انہوں نے دوسرے کمرے سے آنے والی آوازوں کو سنا تو وہ دہل کر رہ گئے ۔۔۔ غالباً الفت اور چمپا بی باتیں کر رہی تھیں ۔۔۔ الفت محل کی سب سے حسین اور طرحدار چھوکری تھی ۔۔۔ نواب شوکت عمر کے اس دور سے

تو گزر گئے تھے جب نظر اِدھر اُدھر بھٹکتی ہے لیکن اُلفت کو دیکھ کر وہ سوچتے تھے کہ وہ دَور تو بے شک گزر گیا لیکن اُلفت تو ابھی وہیں کھڑی ہے ـــــ اور وہ کہیں یہ موقعہ نہ آنے دیتے تھے کہ اُلفت کے قریب سے بھی گزُر جائیں گے ـــــ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔ کبھی بھی آسکتی ہے ـــــ

چنو بی بھی اُلفت ہی کی عُمر کی تھی ـــــ جوان بھی تھی، لیکن بس چنو بی تھیں ـــــ یہ عجیب بات ہے پاکیزہ نفس سے پاکیزہ عورت بھی، کتنے ہی نیک خیالات رکھنے والی عورت بھی دل کے کسی نہ کسی گوشے میں خود نمائی اور مَرد کو اپنی طرف مائل کرنے والے جذبے کی غلام اور خواہش مند ضرور ہوتی ہے ـــــ مَرد کو اپنی طرف متوجہ کرکے اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کے عورت کی کسی ایسی حس کو ضرور تسکین ملتی ہے جو اُسے اپنی ہی نظروں میں معزور بنا دیتی ہے ـــــ شاید آدم بعد میں پیدا ہوئے ہوتے تو عورت میں یہ جذبہ نہ ہوتا، لیکن جب وہ آدم کی پسلی سے باہر آئی اور خوابیدہ آنکھوں کو ملتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا تو دُنیا میں پہلی بار پہلی عورت، حوا کے دل میں خواہش جاگی ہوگی کہ یہ شخص جو بھی ہے مجھے دیکھے۔ حالانکہ اس وقت آئینہ وجود میں نہیں آیا ہوگا کہ حوا اپنا جان لیوا حُسن دیکھ بھی سکتی ـــــ لیکن آدم نے جن گرسنہ نگاہوں سے اسے دیکھا ہوگا، روزِ ازل سے وہ پیاس، دیکھنے کی پیاس، تشنگی مَرد کا مقدر بنی اور دیکھے جانے کی پیاس، عورت اپنے آپ کو دِکھوانے کی پیاس عورت کی انا بنی ـــــ اور اس وقت وہی عورت، وہی حوا اپنی اُسی اَنا کے ٹوٹ جانے پر ناگن سی پھن پھنا رہی تھی۔

"پھر کیا ہوا؟" چنو بی پوچھ رہی تھی "اُوں بڑی بے فکری سے بول دئے۔ میں یہاں پڑھتی بیٹھی ہوں، اب اٹھ کو نئیں جاتی ـــــ تو یہیں کپڑے بدل ڈال ـــــ"

"پھر کیا ہوا ـــــ؟"

"میرے آنگ پر کیا کوڑھ کے داغاں تھے کہ میں چھُپ کے بدلتی ـــــ میں ایک ایک

کر کے سارے کپڑے اُتار دی ـــــ ہنس مت حرام خور ـــــ صرف اُوپر کے کپڑے ـ"

"اے گے میری ماں ـــــ" چُنّو بی کی سخت وحشت زدہ آواز آئی ۔

"مگر تو یہ بھی تو سُن اُنوں بے حد مزے میں پڑھتے رہے ـــــ ایک دو بار میرے طرف دیکھے بھی ـــــ ہور مزے کی بات سُنی ، مزے سے کیا بولتے ؛ "تم چھوکریاں چھاتے پے یہ کپڑا کیوں باندھتیں ـــــ" ایسا غصّہ آیا ، جی میں آیا فوراً کپڑا اُٹھا کے دِکھا دیوں ہور پھر پوچھوں ـــــ اب بولو ـــــ آیا سمجھ میں کی کپڑا کیوں باندھتیں ـــــ؟" چُنّو بی کی ہنسی روکتی آواز آئی ـــــ

"سچی ایک آدھ دن دکھا ہی دے مزہ آجائیں گا ـــــ" اُلفت بھَن بھَنا کر بولی "اَگے وہ ـــــ ؟ وہ تو ایسا ہیجڑا ہے . دِکھا بھی دیوں تو سمجھیں گا ـــــ کاتے کو دکھا رئی کی؟ اور اس کو جسم کا ایک حِصّہ ایچ سمجھیں گا ـــــ"

وہ دونوں تو قہقہے لگا رہی تھیں اور نواب شوکت کا دِل ڈوبا جا رہا تھا ۔

"اے مولیٰ مجھ بدنصیب کا ایک ایچ بیٹا ہے ـــــ خاندان کا نام چلانے والا ـــــ مرے تو موںھ میں پانی ڈالنے والا ـــــ مالک میرے کو یہ رسوائی اور بدنصیبی مت بتانا ـــــ لیکن انھوں نے طے کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی پہچان کے حکیم ڈاکٹر کو اپنے بچے کو ضرور بتائیں گے ـــــ پہلے انھوں نے اپنے یارِ غار ذاکر خاں سے مشورہ کر لینا بہتر سمجھا ـــــ ذاکر خاں کوئی تین چار سال سے ہی ان کے دوست چلے آ رہے تھے لیکن ان کی دوستی میں کھوٹ نہیں تھا ایسے وفادار یار تھے کہ وقت پڑنے پر جان بھی بے دریغ نثار کر دیتے ـــــ نہ نواب شوکت کے پیسے دولت سے غرض تھی نہ اُن کی جاہ و حشمت سے ـــــ کبھی ہاں میں ہاں تک نہ مِلاتے ـــــ دو ٹوک بات کرتے ، اگر کوئی غلط کام کرتے دیکھتے تو بلا تامل اپنا مشورہ پیش کر دیتے ـــــ نواب شوکت نے بارہا ان کو آزمایا تھا ، حالانکہ ان کی دوستی ابھی پُرانے پن کے زمرے میں بھی نہیں آئی تھی اور کتنی چھوٹی سی بات پر یہ دوستی اُستوار

ہوئی تھی ـــــ ایک دن نواب شوکت بگھی پہ سوار کہیں جارہے تھے۔ راستے میں کسی نے پٹاخہ چھوڑا اور گھوڑا بدک گیا ـــــ ایسا بے قابو ہوا کہ بگھی اُلٹنے کی نوبت آگئی ـــــ دوسرا گھوڑا بگھی کو اپنی طرف کھینچے، بدکا سو گھوڑا اپنی طرف کھینچے ـــــ کوچوان حیران ـــــ بگھی کی گتیاں بن گئیں ـــــ نہ آگے بڑھے، نہ پیچھے ہٹے، دونوں گھوڑے اپنی اپنی طبع آزمائی میں مصروف ـــــ اسی اُچھل تنخ میں کوچوان تو بیر کی طرح پٹ سے نیچے جاگرا اور گھوڑوں نے جب دیکھا کہ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تو ایسے بے قابو ہوئے کہ نواب شوکت اب گرے کہ تب گرے ـــــ ایسے میں جانے کہاں سے ذاکر خاں نمودار ہوئے ـــــ چھلانگ مار کر کوچوان کی گدی پر چڑھے اور بے قابو گھوڑوں کو ایسی پھرتائی اور مردانگی سے رام کیا کہ کہاں تو بگھی بھاڑ میں پڑے چنے کی طرح پھٹک رہی تھی یا ایسی نرمی سے سہج سہج چلنے لگی، مانو کہاروں کے کندھوں پہ سوار دُلہن کی ڈولی چلی جاتی ہے۔

محل پہنچ کر نواب صاحب نے جب تھالی بھر روپلے اور پانچ اشرفیاں خدمت میں گزاریں تو ذاکر خاں نے وہی تھالی اُٹھا کر نواب صاحب کے سر پہ سے نواری اور سامنے کھڑے خادم کے حوالے کر کے اطمینان سے بولے :

"نواب صاحب کی جان کا صدقہ ـــــ غریبوں میں بانٹ دو۔" نواب صاحب دنگ رہ گئے ـــــ سمجھے خاندانی رئیس ہوں گے، پوچھا :

"شغل کرتے کیا ہیں آپ ـــــ؟"

لاپروائی سے بولے : "حضور کے ہی غلام ہیں سارے ـــــ میں کیا میری اوقات کیا ـــــ"، پھر مسکرا کر کہنے لگے : "ویسے میں بچوں کو پڑھاتا ہوں ـــــ مدرّس ہوں ـــــ"

اس کے بعد تو نواب صاحب ذاکر خاں کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہزاروں کے لین دین انہی کے ہاتھوں انجام پانے لگے ـــــ کیا مجال جو انہوں نے ایک دھیلہ بھی

اِدھر سے اُدھر کیا ہو ــــ نواب صاحب کبھی شکایت کرتے :

"بھئی ذاکر خاں تمہاری بس ایک ایچ عادت بُری ہے ــــ کبھی ہمیں خوش ہونے کا موقع نہیں دیتے ــــ" تو وہ ہنس کر بولتے ــــ

"حضور جب کبھی ضرورت پڑے گی آپ ہی کے پاس تو آؤں گا ــــ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ آپ سے بڑا جو در ہے نا ــــ سارے مطالبات وہیں سے پورے ہو جاتے ہیں تو کسی اور در پہ جانے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا ــــ" اور وہ آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھا کر تشکر سے چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیر لیتے ــــ ہوتے ہوتے دوستی اتنی بڑھی کہ محل کے اور سارے کاموں میں بھی ذاکر خاں ہی ذاکر خاں باجنے لگے ــــ لوگوں کی نظروں میں کھٹلتے بھی ہوں گے ہی ــــ لیکن ہیاؤ ایسا تھا کہ کسی کو مونہہ مارنے کی مجال نہ ہوئی ــــ گھیر دار شلوار ــــ اسی کپڑے کی قمیص ــــ واسکٹ ــــ اس پہ کلغی دار صافہ ــــ آباؤ اجداد رہے ہوں گے کبھی پشاور میں ــــ اب تو مدتوں سے حیدرآباد دکن کے ہو کر رہ گئے تھے ــــ صاف اُردو بولتے تھے ــــ گورے خوب صورت ایسے تھے کہ نواب شوکت کا سا لباس اگر پہنا کرتے تو دونوں بھائی بھائی سجتے ــــ لباس پہناوے کا کیا ہے، ملیں نہ ملیں دل ملنا چاہیئے. سو مِلا ہوا تھا ــــ ہر بار کی طرح اس بار بھی ذاکر خاں یاد آئے ــــ

"آپ کیوں فکر کرتے ہیں حضور ــــ صاحب زادے کو کسی ڈاکٹر کو بتا دیتے ہیں ــــ"

نواب صاحب پریشانی سے بولے : "ذاکر خاں بات یہ ہے کی لڑکی ذات کی اگر بدنامی ہو جائے تو بُر نہیں جُڑتا ــــ مگر مرد ذات کی بدنامی ہو جائے تو لڑکیاں تو بہت مِل جاتے ــــ سر بلندی نہیں ملتی ــــ اور آپ جانو مرد سر نیچا کر کے جیا تو کیا جیا ــــ"

وہ تھوڑی دیر پریشانی سے سر جھکائے رہے پھر بولے : "ابھی گھر کی بات گھر میں ہے ــــ چار لوگوں میں پھیل گئی تو مرد بچہ بے شرم سے خودکشی نہ کرلے ــــ"

"وہ خودکشی نہیں کر سکتے ــــ"

"آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں ــــ؟ ندامت اور شرم ایک مرد کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر سکتی ہے ــــ"

"اس لئے نہیں کر سکتے کہ ان میں خود ابھی اپنی مردانگی کا احساس ہی نہیں ہے۔ چلیے آپ کے خاندانی حکیم صاحب سے بات پھیل جانے کا خطرہ ہے تو کسی انگریزی پڑھے لکھے ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں ــــ"

نواب صاحب ذرا مطمئن ہو کر بولے : "آپ کی نظر میں کوئی ڈاکٹر ایسا ہے ؟"

"ہے ــــ تبھی تو کہتا ہوں ــــ"

ڈاکٹر فرحان لندن کے ڈگری یافتہ ڈاکٹر تھے اور ماہر نفسیات بھی ــــ

کمرے میں سر جھکائے سرفراز نواب کو بیٹھا دیکھا تو منہ سے کچھ نہ بولے ــــ بس دیکھتے رہے ــــ اچانک سرفراز نے ماحول سے بوکھلا کر باپ کی طرف دیکھا اور بولے :

"اب میں اندر جاتا ہوں ــــ" نواب شوکت کے چہرے پر بیک وقت ندامت اور غم کی چھاپ ابھر آئی اور انہوں نے بڑی تکلیف سے ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا جو بڑی خوش خلقی سے سرفراز نواب سے کہہ رہے تھے ــــ

"بیٹے آپ جا سکتے ہیں ــــ لیکن آپ مرد ہیں ماشاء اللہ اتنے اونچے پورے

بھی — آپ کو کہنا چاہیئے — میں اندر جاتا ہوں —"
سرفراز نے ذرا حیرت سے اُنہیں دیکھا اور جلدی سے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے — اُن کی چال کو ڈاکٹر صاحب نے غور سے دیکھا — بالکل مردانہ چال تھی — وہ ذرا مطمئن انداز میں نواب شوکت سے مخاطب ہوئے۔
"آپ کے کتنے لڑکے ہیں —؟"
"جی — بس یہی ایک —" وہ ذرا دُکھ سے بولے۔" باقی سب لڑکیاں ہوئے —"
"کتنی لڑکیاں ہیں —؟"
"جی پانچ —"
"محل میں اور کون کون ہیں —"
"جی امی حضور — بیگم صاحبہ ہیں — پھر رشتے کی بہناں — سالیاں — پھپیاں اور بھی عورتاں ہی عورتاں —"
"صاحبزادے کو بچپن سے اب تک کس نے سنبھالا —؟"
"تین چار لڑکیاں اور آیا ماں نے اور ایک دو خواصاں بھی تھے —"
"صاحبزادے جوں جوں بڑے ہوتے گئے اُن کے دائرۂ احباب میں لڑکے بھی شامل ہوتے گئے — یا لڑکیاں ہی آس پاس رہیں —؟"
"محل میں پردے کی خاصی پابندی ہونے سے زنانے میں مرد نوکراں، حتیٰ کی چھوٹے چھوکرے بھی نہیں جا سکتے — مطلب یہ کی لڑکیاں چھوکریاں ہی چھوٹے نواب کو اب تک سنبھالے —"
"اب تک —؟" ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے پُوچھا۔
"اب تک سے آپ کی کیا مُراد ہے — عمر کیا ہوگی صاحبزادے کی —؟

مجھے تو سترہ اٹھارہ سال سے کسی طور کم نہیں لگتے ـــــ تو کیا اتنی عُمر کے لوگوں کو اب تک سنبھالنا پڑتا ہے ـــــ ؟" اُن کے لہجے کی خفگی نواب شوکت سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"جی آپ برابر سوچے ـــــ انوں آتی برساتوں میں پورے اٹھارہ برس کے ہو جائیں گے ـــــ" نواب صاحب سَر جھکا کر بولے۔

"وہ تو آپ نہ بھی بتاتے تو ظاہر ہے ـــــ باقاعدہ مونچھیں نکل آئی ہیں ـ کلّوں اور جبڑوں پر رُوَاں پھُوٹ چکا ہے ـــــ ماشاءاللہ قدو قامت آپ کے برابر ہوا ہی چاہتا ہے ـــــ وہ کچھ رُک کے پھر دھیرے دھیرے بولنے لگے ـــــ

" یہ دراصل میڈیکل کیس ہے ہی نہیں ـــــ یہ صرف سائیکلوجی کی بات ہے ـــــ آپ سے تھوڑے ہی سوالات کر کے مجھے اچھی طرح اندازہ ہوگیا ـــــ ایک لڑکا جو اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے ـــــ پانچ بیٹیوں کے ہونے سے اور بھی زیادہ لاڈلا بن گیا ہے ـــــ اسے کسی بات پر روک ٹوک نہیں کی جاتی کیوں کہ اکلوتا ہے ـــــ لاڈلا ہے ـــــ محل میں گوشے پردے کی وجہ سے اُس کا سارا وقت، ہر ہر لمحہ صرف لڑکیوں اور عورتوں میں گزرا ـــــ اُس کی بات چیت تک میں زنانہ چھاپ لگ گئی ـــــ شرم وحیا جو عورتوں کا فطری جوہر ہے، وہ اسے بھی ماحول نے تحفے میں دیا ـــــ" اچانک وہ رُکے ـــــ "معاف کیجئے گا بات کچھ آداب سے گری ہوئی ہے لیکن محض علاج کی خاطر پوچھنا پڑ رہا ہے کہ صاحبزادے لڑکیوں میں دلچسپی لیتے ہیں کچھ ـــــ"

نواب صاحب نے رُک رُک کر جھجک جھجک کر اُلفت اور چنتو بی والا واقعہ مہذب انداز میں انہیں کہہ سنایا۔

"That is it ـــــ" ڈاکٹر صاحب صوفے کے ہتھے پر زور سے ہاتھ مار کر بولے "یہی اصل بات ہے۔ آپ نے بھلے سائیکلوجی نہ پڑھی ہو، عقل سے یہ سمجھ سکتے ہیں۔ ایک لڑکا ہمیشہ ہمیشہ لڑکیوں میں رہتے رہتے غیر محسوس طریقے پر خود کو بھی لڑکی سمجھنے لگا ہے۔ حد

یہ کہ وہ عورت کے اُن پوشیدہ مقامات کو بھی جو مَرد میں جنسی تحریک پیدا کرتے ہیں سادگی سے دیکھتا ہے اور بجائے ملتفت ہونے کے وہ اُن کے متعلق اس بے نیازی سے سوال جواب کرتا ہے جیسے وہ پوشیدہ مقامات نہ ہوں ـــــ آنکھ ـــــ ناک ـــــ کان ہوں ـــــ آپ نے سوچا ایسا کیوں ہوا ـــــ؟ یہ اس لئے ہوا کہ لڑکیوں میں رہ رہ کر وہ یہ سوچتا ہے کہ ہم سبھی ایک جیسے ہیں۔ وہ سوچتا ہے جب میں لڑکیوں کے سامنے قمیص اُتار سکتا ہوں، تو لڑکیاں میرے سامنے کیوں نہیں اُتار سکتیں۔ اس لئے وہ اُس کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کرتا ـــــ ہمارے گھرانوں میں شادی بیاہ کے موقعوں پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر خواتین مِل کر ایک ہی ساتھ ایک ہی کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے کپڑے بدلنا شروع کر دیتی ہیں ـــــ معاف کیجئے وہ تھوڑا مُسکرا کر بولے" یہ منظر میں نے نہیں دیکھا ـــــ یہ ضرور دیکھا ہے کہ ہُلڑ میں ساری خواتین ایک ہی کمرے میں جمع ہوکر، تیار ہو ہو کر نکل رہی ہیں ـــــ ویسے ماہرِ نفسیات ہونے کی بنا پر بیوی سے اس بات کی تصدیق ضرور کی ہے اور اُنہوں نے بھی بڑی بے نیازی سے فرمایا ہے کہ" اس سے کیا فرق پڑتا ہے ـــــ عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ـــــ؟" اب آپ پھر میرے اسی پوائنٹ پر آیئے اور بیوی کے اس ریمارک کو ذہن میں رکھئے کہ عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ـــــ" مطلب یہ کہ آپ کے بیٹے نے بچپن سے آنکھ کھولتے ہی ایک مخصوص زنانہ ماحول اپنے اِرد گرد پایا ـــــ ساری ادائیں لڑکیوں والی سیکھیں ـــــ اوروں سے تو شرم روا رکھی، جیسا کہ آپ کی باتوں سے پہلے ظاہر ہوا کہ اسکول میں بہت شرمیلے ثابت ہونے کہ آخرا سکول چھوڑ دیا ـــــ لیکن عورتوں سے شرم اسی انداز میں روا رکھی جیسی کہ عورتیں، عورتوں سے شرماتی ہیں ـــــ معاف کیجئے گا یہاں میں لفظ بناوٹ استعمال کروں گا ـــــ صحیح معنوں میں شرم ـــــ ایک عورت صرف مَرد سے محسوس کرتی ہے ـــــ عورتوں سے عورتیں صرف دکھاوے کو شرماتی ہیں ـــــ بن بن کر اتراتی ہیں ـــــ آپ

کے بیٹے نے وہی ساری چھوٹی عورتوں والی ادائیں اپنا رکھی ہیں ـــــ اور یہ سب صرف ایک نامناسب ماحول اور بے جا محبت کی دین ہے ـــــ بہرحال۔" وہ سانس لے کر بولے:

"آپ کو مژدہ ہو کہ آپ کے صاحبزادے مکمل مرد ہیں ـــــ"، نواب شوکت نے بڑی دیر سے رُکی ہوئی سانس چھوڑ کر ذاکر خاں کو دیکھا ـــــ لیکن ڈاکٹر صاحب پھر سے مخاطب ہوئے ـــــ لیکن آپ کو ـــــ بہت کچھ سہنا ہوگا ـــــ"

"ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے ڈاکٹر صاحب ـــــ"، نواب صاحب گھبرا کر بولے ڈاکٹر صاحب نرمی سے مسکرائے۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے نواب صاحب ـــــ میرا مطلب یہ ہے کہ اس زنانے پن کے جال سے نکالنے کے لئے صاحبزادے کا علاج کرنا ہوگا ـــــ"

"علاج ـــــ آپ کہیں تو ہم اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیں ـــــ"

"جی نہیں ـــــ اشرفیوں کے ڈھیر ہر جگہ کام نہیں آتے ـــــ اُنہیں ـــــ میرا مطلب ہے نواب سرفراز کو کسی عورت کے ساتھ رکھنا پڑے گا ـــــ"، نواب صاحب نے ڈاکٹر فرحان کو ایسی نظر سے دیکھا جیسے اُن کے صحیح الدماغ ہونے میں شک ہو ـــــ ڈاکٹر صاحب ان کی نظروں کا انداز سمجھ کر مسکرا پڑے۔

"آپ یہی سوچ رہے ہیں نا کہ یہ ڈاکٹر خود پاگل لگتا ہے دوسروں کا علاج کیا کرے گا ـــــ آپ نے غلط نہیں سوچا۔ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی سوچ سکتا تھا کہ ایک لڑکا جو محض عورتوں کی تربیت، ساتھ اور سنگت کی وجہ اس حال کو پہنچا ہو اس کو پھر کسی عورت ہی کے ساتھ رکھنے کا نسخہ بتایا جائے ـــــ لیکن نواب صاحب نفسیات چیز ہی یہی ہے ـــــ اب ٹھہریئے میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاؤں ـــــ اب تک جن عورتوں نے نواب سرفراز کو گھیرے رکھا ہے وہ سب اُن کی خوشامد در آمد، آگے پیچھے گھومنے پھرنے میں لگی رہی ہیں ـــــ جیسا اُنہوں نے کہا اُن لڑکیوں نے مان لیا ـــــ حد یہ کہ چونکہ اکلوتے ہیں

ماں، دادی، پھوپی، خالہ، سبھی نے ہر بات مانی ہو گی ـــــ اُن چھوکریوں نے تو ہر ہر بات کو حکم سمجھ کر تعمیل کی ہو گی جو خاص ملازمائیں تھیں ـــــ مجھے بتایئے نواب صاحب کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی لڑکی ان سے کسی بات میں روٹھی ہو اور اُسے سرفراز نواب نے خود منایا ہو! مرد کی فطرت میں بھنورا بنا لکھا ہے ـــــ اکلوتے ہونے نے آپ کے بیٹے کو تباہ کیا ـــــ مرد کی مردانگی اور انا جو کسی عورت کو منا کے، پھسلا کے، آنسو پونچھ کے سر اٹھاتی ہے، وہ صاحبزادے کے وجود میں کہیں سوئی پڑی ہے اُسے کسی ایک ـــــ صرف ایک ایسی عورت کے حوالے کیجئے جو انہیں ٹھوکرے اُڑائے ـــــ جو اُن کا سر اپنے سامنے جھکا کر فخر محسوس کرے ـــــ جو پوری پوری آنکھیں کھول کر انہیں نہ دیکھے، کن انکھیوں سے دیکھے اور اپنی دید کے لئے ترسائے ـــــ" وہ رُکے ـــــ رُک کر مسکرائے ـــــ "پھر تو آپ جانتے ہی ہیں کہ شرع میں چار شادیاں جائز ہیں ـــــ" ہنس کر بولے "آپ میرا مطلب سمجھے یا نہیں۔ مطلب یہ کہ صاحب زادے اتنے جواں مرد ہیں کہ ایک عورت ایک بیوی کافی نہیں ہو گی ـــــ" نواب صاحب بھی خوش دلی سے مسکرا دیئے ـــــ ڈاکٹر فرحان کی قابلیت کے وہ دل سے معترف ہو چکے تھے۔ واقعی نفسیات بھی کیا مضمون ہو گا ـــــ؟ کیا سوچ سوچ کے سوالات کئے اور کیا جوابات دیئے ـــــ دل خوش ہو گیا اور مطمئن بھی ـــــ لیکن ایسی عورت کہاں سے ملے ـــــ محل میں ملنے سے تو رہی ـــــ انہوں نے ذرا تردد سے ڈاکٹر خاں کو دیکھا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اُن کی آنکھوں کو پڑھ لیا۔

"بات ذرا بے ہودہ ہے نواب صاحب ـــــ لیکن آپ کو اس کام کے لئے کسی طوائف کو رکھنا پڑے گا ـــــ کسی گھریلو عورت یا لڑکی سے آپ اس کام کی توقع نہیں کر سکتے کہ وہ ناز و انداز سے ایسے مرد کو زیر کر سکے ـــــ بلکہ میں نے غلط کہا ایسے مرد کو ابھار سکے۔

"حضور، اس بارے میں آپ فکر مند ہوں۔ یہ ایسی کوئی بڑی بات نہیں ـــــ"

ذاکر خاں اطمینان سے بولے۔

"اور ویسے بھی . . . ڈاکٹر صاحب ذرا رُک رُک کر بولے "آپ تو نواب ہیں اور نوابوں کے ہاں طوائفوں کا آنا جانا فیشن بھی سمجھا جاتا ہے اور ضرورت بھی ـــــ" پھر وہ اُٹھتے ہوئے بولے ـــــ "آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں ایسے کیس نظر سے گزرتے رہے ہیں کہ لڑکیاں لڑکوں میں مِل جُل کر رہتے رہتے اپنے نسوانی انداز کھو بیٹھیں، یا لڑکے لڑکیوں میں رہتے رہتے زنانہ انداز اختیار کر گئے ـــــ لڑکیوں کے لئے تو یہ اتنا نقصان دہ نہیں ہے لیکن بعض صورتوں میں لڑکوں کے لئے خاصا (HARM FUL) ہارم فُل بن جاتا ہے لیکن صاحب نفسیات نے بھی انسان کی کیا کیا گرہیں کھولی ہیں ایک سائیکاٹرسٹ تو بعض وقت خدا کے سے معجزے بپا کر دیتا ہے ـــــ" نواب صاحب کو کُرتے کی جیب کی طرف ہاتھ بڑھاتا دیکھ اُنھوں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے نواب صاحب ابھی رہنے دیجئے ـــــ پہلے جو مَیں نے کہا ہے اس کو آزما دیکھئے ـــــ جب تک مریض کو فائدہ نہ ہو جائے مَیں فیس نہیں لیتا ـــــ فائدہ ہونے پر ہی بھر پُور فیس لیتا ہوں اور اسی لئے اتنا امیر ہوں ـــــ" وہ خوش دِلی سے ہنسے۔

"مَیں آتا رہوں گا ـــــ اپنے مریض کو صحت مند ہوتا دیکھنا ایک ڈاکٹر کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے ـــــ اور ذاکر صاحب ذرا اس سِلسلے میں نواب صاحب کی مدد کیجئے ـــــ کام گُناہ آلود ہے، لیکن کراماً کاتبین اُسے ثواب کے کھاتے میں ڈالیں گے ـــــ"

توبہ ـــــ توبہ ـــــ توبہ ـــــ

نِیچی بزاز ـــــ حیدر آباد دکن کا بدنام محلّہ ـــــ اُن دِنوں بڑا نیک نام ہو رہا

تھا ـــــ شہر بھر میں ایک طوائف کا چرچا تھا ـــــ بڑے بڑے جس کے در پہ ماتھا ٹیکنا اپنی سعادت سمجھتے تھے اور اس کے رقص اور آواز کے جادو کے دیوانے تھے ـــــ

کمانیوں دار پکے مکانوں کا، سفیدی اور نیلی بھرے ہوئے شہ نشینوں کا جو سلسلہ یہاں سے وہاں تک بھی براق میں پھیلا ہوا تھا، وہ بازارِ حسن کا بڑا معروف اور مصروف دربار تھا۔ پھول والوں کی سجی بنی دکانیں ـــــ تنبولیوں کے بنے ہوئے پان ـــــ سونے، چاندی کے ورقوں میں تیار پان بیچنے کی دکانیں ـــــ مٹھائی والوں کی دکانیں ـــــ درگاہ جانے والی طوائفوں کی آسانی کے لئے عود بتیوں اور نقل دانے بیچنے والوں کی دکانیں، پھر نچلے طبقے کی چلتے گاہک کو روک کر خود مونہہ سے بلانے والی طوائفیں کہ جو گاہک کے ساتھ شب بسری سے قبل اس کے ہاتھ میں کھانے کی پوری ٹولی ہوں۔ ایسی بھوک کی ماری طوائفوں کے توشے کے طور پر لے جانے والی تیل میں تلی جانے والی جلیبیوں، مرکل، تلی ہوئی بیسن کی کھٹی مرچوں اور بھجیوں کی دکانیں ـــــ

یہ بھی براق تھا ـــــ یہاں کچھ ایسی بھی تھیں جو جسم کا کاروبار کرتی تھیں ـــــ ایسی بھی جو صرف ناچ گا کر گاہکوں کا دل بہلاتی تھیں، پھر پچھواڑے کے کمروں میں جا کر شب بسری کا اہتمام بھی کر دیتی تھیں ـــــ ایسی بھی جو کسی بھی رئیس نواب کو خوش آمدید بھی کہتی تھیں اور ایسی بھی جو کسی کے بلاوے پر محلوں، کوٹھیوں اور ڈیوڑھیوں پر بھی چلی جاتی تھیں ـــــ یہاں پیاسے کنوؤں تک آتے تھے اور کنویں خود بھی چل کر پیاسوں تک پہنچ جاتے تھے ـــــ لیکن کونے کا آخری مکان جو اپنی وضع قطع سے ہی کچھ الگ تھلگ سا لگتا تھا۔ اس کی مالکن بھی کچھ ایسی ہی عام خواتین سے الگ تھلگ سی تھی۔

جسم بیچنا اس کے مذہب میں حرام تھا ـــــ گانے بجانے کا سلسلہ بھی دل پزیر تھا ـــــ کبھی تو یہ ہوتا کہ محفل سجی بیٹھی ہے ـــــ لوگ منتظر ہیں کہ بی بی اب آئیں کہ تب آئیں ـــــ اندر سے سندیسہ آ گیا ـــــ

"آج ناچنے کو دِل نہیں کرتا ـــــ معافی چاہ رہی ہیں ـــــ"، کبھی محفل میں پُرسوز آواز سے گاتی بیٹھی ہیں کہ ناچنے کا دِل ہو گیا ـــــ طبلے، سارنگی، دف، تاشے، ہارمونیم، ڈھولکیا، ایک ساتھ سارے ساز چیخنے لگے اور ناچ رہی ہیں ـــــ ناچ رہی ہیں ـــــ بے حال ہوتے تک ناچیں گی ـــــ

دِل کی غلام تھیں، اسی لئے بڑے بڑے نوابوں، جاگیرداروں کے ہاں سے نیوتے آتے ـــــ توڑے بھر بھر کر اشرفیوں کے لالچ دِئے جاتے، لیکن نہ جاتیں پر نہ جاتیں۔ لوگ آپس میں بولتے ـــــ

"ایسی پاتر (طوائف) تو دیکھے نہ سُنے باوا ـــــ پیسے کے واسطے تو پاتر بازار بساتی ـــــ ہور اپنے پیسے کو اِچ ٹھکراتی ـــــ"

نواب شوکت مُدّت ہوئی گانے بجانے کی محفلوں سے تائب ہو چکے تھے ـــــ تائب ان معنوں میں نہیں کہ ناچ دیکھنا یا گانا سُننا یک لخت ختم کر دیا ہو ـــــ اپنے نواب دوستوں کے ہاں کی تقریبوں، شادی بیاہ، بسم اللہ، ختنے، سالگراہوں، عیدوں بقرعیدوں میں جاتے اور طوائفوں کا ناچ گانا ہوتا تو خوشی نہ صرف یہ کہ دیکھتے بلکہ جیبوں میں جو کچھ بھی ہوتا اور یہ لوٹے تباتے جیسی بات تو ہے نہیں کہ کیا کچھ نہ ہوتا ہو گا، جتنا کچھ بھی ہوتا سارا کا سارا وار کر کے آتے۔ البتہ تائب یوں ہو گئے تھے کہ اپنے محل میں طوائفوں کا بُلانا قطعی بند کر دیا تھا ـــــ

اس بند کرنے میں کسی کنجوسی کو کوئی دخل نہ تھا، بلکہ بات یہ تھی کہ جوان جوان تین بیٹیوں کے باپ تھے۔ دو تو ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی تھیں، لیکن بیٹیوں کے باپ کو بہر حال دنیا میں پھونک پھونک کر قدم اُٹھانا پڑتا ہے ـــــ بیٹے باپ کا سر بلند کرتے ہیں بیٹیاں سر جھکا کر چلنے پر مجبور کرتی ہیں ـــــ وہ شوکت محل کے کرتا دھرتا تھے، اُن کے

سر پہ کوئی بڑا بزرگ مرد نہ تھا جو انہیں کسی بھی کام سے ٹوکتا ــــــ وہ مالک و مختار سبھی کچھ تھے، جو چاہتے کرتے۔ کون منع کرسکتا تھا لیکن انھوں نے خود ہی اپنے اوپر کچھ قیود عائد کرلی تھیں اور اپنی خود ساختہ قید میں وہ بہت مطمئن تھے ــــــ ایک لحاظ یہ بھی آنا تھا کہ "اچھی خوش و خرّم مطمئن زندگی ہے ــــــ شریف محبت کرنے والی بیگم ہیں ــــــ بچے ہیں ــــــ اب خواہ مخواہ نوجوانی کے دنوں کے جیسے چونچلے کرو تو دل بھی خوش نہیں ہوتا اوپر سے دنیا بھی نام رکھتی ــــــ وہ تو شادی سے پہلے، جب ذمہ داریاں نہیں تھیں تو چھڑے چھانٹ تھے۔ تب بھی امی حضور کو پتہ چل گیا تھا کہ بار بار ایک بائی جیا کے ہاں جاتے ہیں تو کتنا چڑتے تھے ــــــ آخر کو ابا بولے ابا بھائی کی ہم شادی ایچ کرلتے ــــــ اب جب اتی اچھی زندگی ہے کی اس میں کوئی کھٹکا کوئی ڈبکا نہیں تو کائے کو لوگاں کو بولنے کا موقع دینا ــــــ'

تو لوگوں کو بولنے کا موقع دینے سے بچنے کی خاطر وہ اپنے محل پہ تو ناچ رنگ ــــــ کی محفلیں ختم کروا چکے تھے لیکن دوستوں کے ہاں آئے مہینے وہ ذکر سنتے تھے کہ آج کل ایک گانے اور ناچنے والی نے حیدرآباد کو دیوانہ بنا رکھا ہے ــــــ جسے دیکھو یہی ذکر ــــــ

"کیا ناچتی ہے توبہ ــــــ!"

"کیا گاتی ہے توبہ ــــــ!"

ایک دن نواب شوکت نے ذرا بے کیف ہو کر پوچھا: "آخر کس کے یہ چرچے ہیں ــــــ"

وہ اُس دن نواب جمال الدین کی ڈیوڑھی میں مدعو تھے ــــــ انہیں ذرا حیرت سے دیکھ کر نواب جمال الدین بولے:

"حضرت آپ ہوش میں ہیں یا نہیں ــــــ تو بہ بول بول کے ساری خلقت جھوم رئی ہے اور آپ پھر بھی یہی پوچھتے کی کون ہے اُنے ــــــ"

"تو کیا اُس کا نام ایچ توبہ ہے ــــــ؟" شوکت نواب حیرت سے بولے ــــــ

"میں تو اپنی مادری زبان میں بول رہا ہوں آپ نئیں سمجھے تو میرا کیا قصور ــــــ"
نواب جمال الدین ہنسنے لگے ــــــ کیا صورت ہے کی واہ۔ ہور کچھ سنا سابھی معلوم ہوتی ہے"
"لیکن ہم اتے جگہوں پر اتے محفلوں میں گئے کبھی تو یہ کو نئیں دیکھے ــــــ کیا پردہ
کرتی اُنے ــــــ؟" نواب شوکت مسکرا کر بولے ــــــ
"پردے گوشے میں رہتی تو ایچ اچھا رہتا تھا ــــــ اب تو کیا معلوم اُس کا گانا
سن کر اُس کا ناچ دیکھ کر گھر آ کو کتے مرداں اپنے اپنے بیویوں کو طلاخ دے دیتے ہوئیں گے
ایسے ناز و انداز ہیں اس کے ــــــ"
"مگر ہم تو کبھی اُس کو نئیں دیکھے ــــــ"
"آپ اس واسطے نئیں دیکھے کی آپ کبھی اس کے گھر پہ نئیں گئے ــــــ ہور وہ
خود تو ایسی اصول والی ہے کی کسی کے گھر چل کر نئیں جاتی ــــــ بولتی ہے: "جس کو میرا
گانا سننے کا ہے میرا ناچ دیکھنے کا ہے وہ خود چل کر میرے پاس آتے، میں کیوں جاؤں"
آپ چلو نا کسی دن۔ کیا انداز ہیں۔ کیا ادایاں ہیں ـ ایک ایک نظر سو سو بجلیاں گراتی ــــــ
ہور گاتے میں اس کے ہاتھاں کے، آنکھاں کے، بھوؤں کے، ہونٹاں کے انداز ہور
اشارے کیا بولوں ــــــ غالب کا ایک شعر گاتی:

شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

حضت پہلے تو اُس نے چٹکی سے مَسل کر خود شمع بجھادی ــــــ ہور اُس میں سے ــــــ بتی میں
سے جو دھواں نکلا تو اِدھر خود ایک سیاہ دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ گئی ــــــ اُداس ــــــ غمگین ــــــ
تباہ و برباد ــــــ اور پھر اپنی اُداسی سے تاثر یہ دی کی عشق کا شعلہ ــــــ جو کی اس وقت میں
ہُنُل ــــــ وہ ایسا سیاہ ہے ــــــ پھر اُس کے کالا دوپٹہ اُوڑھ کر بیٹھ جانے کا انداز ــــــ
بجھتی ہوئی شمع میں سے نکلتا دھواں ــــــ محفل کی وارفتگی ــــــ حاضرین کا سانس روک کر

بیٹھے رہنا ـــــ اس ایک مخصوص موڑ پہ سازوں کا موقوف ہونا ـــــ پھر اچانک سازوں کی اونچی لَے اور تال ـــــ ہو رائس کا اک دم سے مسکرا پڑنا ـــــ کہاں تو غم کی تصویر بنی بیٹھی تھی کہاں پھول کے ویسا ہنس پڑی ـــــ عورت ہے کہ بجلی ـــــ" پھر کان میں جھک کر ہنس کر بولے : " مگر بِکاؤ نہیں ہے ـــــ بس یہیں ایچ آکر ساری گڑبڑ ہے ـــــ" نواب شوکت نے ذرا اُلجھ کر اُنہیں دیکھا اور بولے :

" میاں ـــــ اگر ایسی ہی گھر بیٹھی بی بی ہے تو پھر ناچتی گاتی ہی کیوں ہے ـــــ تم ہی سوچا کرو کہ بِکاؤ نہیں ہے۔ ہم تو مان کے نہیں دینے والے "

آج اچانک نواب شوکت کو وہ باتیں یاد آئیں جو نواب جمال الدین سے ہوئی تھیں ـــــ جو جو صفات طوائف کی بتائے تھے ـــــ عین مین اُنہی صفات کی طوائف اُنہیں بیٹے کے لئے درکار تھی، جو صرف اپنے ناز و انداز سے ایک سوتے ہوتے مرد کو جگا دے ـــــ کیوں نہ وہ اسے بُلا بھیجیں۔

" ذاکر خاں ـــــ آپ پتہ اُٹھا کر ذرا نیچی برانچ محلے کے کونے والے مکان تک جائیں گے ذرا ـــــ"

" جی نہیں ـــــ" ذاکر خاں بے حد اطمینان سے بولے۔

" جی ـــــ؟" نواب صاحب ذرا غصے سے بولے ـــــ

" جی ہاں ـــــ آپ نے جس جگہ، جس محلے اور جس مکان کا پتہ بتایا ہے میں اُسے جانتا ہوں ـــــ وہاں تو یہ نامی ایک گانے بجانے والی بی بی رہتی ہیں۔ لیکن وہ اپنے اصول کی اتنی پکی ہیں کہ آپ اگر اپنی ساری جائداد بھی اُن کے نام لکھ دیں نا ـــــ تو بھی وہ یہاں آنے کے لئے اپنے گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں نکالیں گی ـــــ" اتنا لمبا بیان دے کر ذاکر خاں اطمینان سے خلال کرنے لگے ـــــ

"کیا آپ اُسے پہچانتے ہیں جو اتنے اعتماد اور وثوق سے بول رہیں ——" وہ غصّے سے بولے۔

"جی ہاں ——" اُن کا اطمینان بحال تھا —— اب نواب صاحب چونک پڑے۔

"کمال ہے —— آپ جیسا شریف آدمی اور طوائف کو جانتے پہچانتے ؟"

"میں شریف ہوں یا نہیں اللہ جانے —— لیکن طوائف کو پہچانتا ضرور ہوں —— اس لئے کہ وہ میری بیٹی ہے ——" نواب صاحب اپنی جگہ سے اُچھل پڑے۔

"ذاکر خاں ——!" لیکن ذاکر خاں اُن کی طرف دیکھے بغیر کہے گئے: "میں ایک آپ ہی کی طرح کے دوست کے ہمراہ وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا —— گانا سننا ناچ دیکھنا میرا شیوہ نہیں، میں اُن کے اصرار پر چلا گیا تھا —— جا کر باہر پچھلے صحن میں تسبیح رولنے لگا تھا —— میں نمازی یا نیک یا پرہیزگار نہیں ہوں —— نماز پڑھنا جان پر آتا ہے اس لئے اللہ میاں کو خوش کرنے کے لئے تسبیح ہمیشہ پڑھتا ہوں —— آسان عبادت ہے بیٹھے بیٹھے موتی گراتے رہو۔ اللہ اللہ کرتے رہو —— اللہ میاں نکتہ نواز ہیں، کیا پتہ اسی بہلانے بخش دیں —— گاتے گاتے بی بی تھک گئی —— دُنیا والے کتنے ہی بازاری نام سے اُسے پکاریں، میں اُسے بی بی کہتا ہوں، تو کوئی دوسری لڑکیاں ناچنے گانے کو بیٹھ گئیں —— بی بی صحن میں پڑے پلنگ پر لیٹنے آئی تو میں وہیں بیٹھا تسبیح رول رہا تھا —— اُس نے مجھے بابا کہہ کر مخاطب کیا تھا —— اور تب سے، تبھی سے وہ میری بیٹی تھی —— یا پھر ممکن ہے میری عقل کا پھیر ہو اور وہ سدا سے میری بیٹی رہی ہو ——"

نواب صاحب نے ذرا حیرت سے اُس سر پھرے بوڑھے کو دیکھا۔

"اُس نے مجھ سے پوچھا تھا: "بابا آپ اس ماحول میں تسبیح پڑھنے آتے ہیں ——" میں نے جو بات تھی اُسے بتا دی تھی ——، جن نواب صاحب کے ساتھ میں آیا ہوں۔ آیا نہیں ہوں بھیجا گیا ہوں۔ اُن کی بیگم صاحبہ نے دوستی کے ناتے مجھے انہیں سنبھالنے کی خاطر

بھیجا ہے۔ کہیں رات کو واپسی میں اندھیرے اُجالے گر نہ پڑیں ــــــ زیادہ بہک نہ جائیں پھر اُس نے کہا : "بابا میں خود تو کہیں نہیں آتی جاتی ہوں ــــــ آپ سے ملنے کو جی چاہے تو کہاں ملوں ــــــ کیوں کہ آپ سے بار بار ملنے کو جی چاہے گا ــــــ یہ دِل سے آواز آئی ہے ــــــ" اور جب میں نے پوچھا تھا کہ وہ خود کہیں کیوں نہیں جاتی تو اُس نے چند باتیں بتائی تھیں ــــــ اپنی مجبوریاں ــــــ اور چونکہ میں اُسے بیٹی کہہ چکا تھا اِس لئے اُس کی مجبوریوں سے مجبور ہو کر میں نے خود اس کے ہاں جانا شروع کر دیا ــــــ ہفتے میں ایک بار۔ اور یہ سلسلہ مدت سے جاری ہے ــــــ اور اسی لئے یہ بات کہتا ہوں اور وثوق سے کہتا ہوں کیوں کہ اسے جانتا ہوں پہچانتا ہوں کہ وہ نہیں آئے گی ــــــ"

"آپ عورتوں کی اس ذات ــــــ پاتر ذات کو نہیں سمجھتے ذاکر خاں ــــــ آپ توڑا بھر اشرفیاں لے جایئے ــــــ کھنچی چلی نہ آئے تو ہمارا نام پلٹ دیجئے گا ــــــ"

"ہو سکتا ہے کہ اُس کے گھر تک، اُس تک پہنچوں ہی نہیں، یونہی آ کر کہہ دوں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے جا کر آؤں بھی لیکن آپ کو یقین نہ آئے تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ خود ہی چلے جائیں ــــــ؟"

نواب صاحب سختی سے بولے : "نہیں ذاکر خاں، یہ نہیں ہو سکتا ــــــ ہم اَب عمر کے اُس دور میں ہیں کہ ہمارا ایک بھی غلط قدم پورے خاندان کو تباہ کر سکتا ــــــ کنوارے رہے سو وحشت کی بات ہو رہی ــــــ اب کسی پاتر کے گھر یہ جانا ــــــ؟ کبھی نہیں... لاحول ولا ــــــ"

اپنے طور پر نواب شوکت نے خود بھی ایک کام کیا ــــــ محل کی تمام لڑکیوں عورتوں سے کہہ دیا کہ وہ صیغۂ مذکر میں بات کریں۔ دُولہن پاشا نے سُنا تو ناک پر اُنگلی رکھ کر بولیں :

"ووئی یہ موئی کیا بات ہوئی جی ــــــ"

"آپ کے سمجھ میں نئیں آتے گی ـــــ بس اتا ہم بولتے ہیں کی اب سب لوگاں لڑکوں مردوں کے ویسی بات کرنا ـــــ"

"مگر آخر کیوں ـــــ؟"

وہ جُزبُز ہو کر بولے : "ارے باوا ، جان جوان لڑکا محض ماحول کی وجہ سے مُتخنّل لڑکیوں کے جیسی بات کرر ہا ہے ـــــ اب اُس کے آس پاس سب لڑکیاں ، لڑکوں کے جیسی بات کریں گے تو وہ بھی وہی طریقہ اختیار کریں گا ـــــ"

دوسری صُبح بڑی بیٹی حسبِ معمول اسکول جاتے وقت اپنی ماں اور دادی کو سلام ، خدا حافظ کہہ کر بولیں : "اچھا امی ـــــ دادی ماں خدا حافظ ـــــ اب میں چلتیوں ـــــ"

تو نواب صاحب تیزی سے بولے ـــــ

"برکت بیٹے ـــــ اب میں چلتاؤں بولو ـــــ رات کو آپ کے امی سکھائے تھے نا ـــــ"

"جی ہو باوا ـــــ میں بھول گئی ـــــ ارے ـــــ بھول گیا تھا ـــــ"

دن بھر میں کئی بار ہنسی مذاق میں سب لڑکیاں ایک دوسرے کو ٹوکتیں ـــــ

"دیکھ تو نے پھر جارئی بولی ـــــ"

"اچھا باوا جارہا ـــــ بس ـــــ"

"دیکھ تُو نے پھر کام کرتی بول دی ـــــ"

"ائے اب سے کام کرتا بولوں گی ـــــ"

"ہائیں بولوں گی ـــــ؟"

"اچھا اچھا بولوں گا ـــــ بس ـــــ؟"

نواب سرفراز حیرت سے سب کو اس طرح باتیں کرتا سُنتے ـــــ اُنہیں سخت الٹ پٹا لگتا کہ سب نے اچانک اس طرح اپنی بولی کیوں بدل دی ہے ـــــ حد یہ کہ اگر وہ خود بھی

بھوک نہ ہونے پر کہتے : ـــــ "میں کھانا نئیں کھاؤں گی ـــــ" تو کوئی نہ کوئی خادمہ انہیں ٹوکتی ـــــ

"چھوٹے نواب کھانا نئیں کھاؤں گی مت بولئے ـــــ کھانا نئیں کھاؤں گا بولئے ـــــ" لیکن اُن کی زبان پر نئی بولی چڑھ ہی نہیں رہی تھی ـــــ مزے کی بات یہ ہوئی کہ ادھر بیٹیوں برکت، نکہت، مسرت نے اسکول سے آکر ہنس ہنس کر ماں کو بتانا شروع کیا۔

"امی پہلے پہلے تو لڑکیاں خود ہمارا مذاخ بنالئے کی یہ کیا لڑکوں کے جیسا بات کرریں جی ـــــ مگر اب تو سبی لوگاں ہمارے ویسا لڑکوں کی طرح باتاں کرلے ریں۔"
امی ناک پر انگلی رکھ کر بولیں : "تمہارے باباحضور کے نرالے باتاں ہیں ماں ـــــ"

ذاکر خاں اشرفیاں لے کر گئے بھی اور واپس بھی آ گئے ـــــ
"حضور میں آدمی کی پہچان رکھتا ہوں ـــــ وہ نہیں مانیں ـــــ"
"تھیلی بھر اشرفیاں واپس کردی اُنے ـــــ؟" نواب شوکت کا حیرت سے مُونہہ کھلا رہ گیا ـــــ
"میں آپ سے پہلے ہی عرض کرچکا تھا ـــــ"
"پھر اب ہم کیا کرنا ـــــ" وہ پریشانی سے بولے۔
"اب آپ بس یہ کیجئے کہ صاحب زادے کو خود وہاں بھجوا دیجئے ـــــ" وہ رسان سے بولے ـــــ

"دماغ خراب ہے آپ کا ـــــ" شوکت نواب چیخے۔ "ایک پاتر کے گھر ایک نواب زادہ پہنچ جاتے ـــــ"
"علاج حضور علاج ـــــ" ذاکر خاں سمجھانے کے انداز میں نرمی سے بولے۔

"اور تو کوئی صورت نظر نہیں آتی ـــــ وہ بی بی یہاں آنے پر راضی نہیں۔ آپ صاحبزادے کو وہاں بھجوانے پر راضی نہیں ـــــ آخر بات کیسے بنے گی ـــــ؟"

"کیا شہر کے سب پاتراں مر گئیں ـــــ کیا اُسی میں سُرخاب کے پراں لگے وے ہیں ـــــ؟" نواب صاحب اُلجھ کر بولے ـــــ "آپ کسی اور کو ڈھونڈھے ـــــ"

"میں تو ہزار ڈھونڈھ لوں ـــــ لیکن ڈاکٹر صاحب نے جس قابل اُستاد کے بارے میں فرمایا ہے وہ ساری خصوصیات تو اُنہی بی بی میں ہیں بس ـــــ آپ تو کبھی گئے نہیں نا ـــــ ایک خلقت اُمڈی پڑتی ہے ـــــ کوئی تو بات ہوگی نا ـــــ" نواب صاحب بڑی دیر تک خاموش رہے پھر پوچھا ـــــ

"محل میں بیگم پوچھیں گی نیچے کو کہاں بھجوا دیے تو ـــــ؟"

"آپ کہہ دیں پہاڑ پہ بھجوا دیا ہے ـــــ"

"اچھی خاصی تو صحت ہے۔ پہاڑ پہ کائے کو ـــــ یہ تو کوئی معقول بہانہ نئیں ہُوا ـــــ"

"تو یُوں کہہ دیجئے کہ ماشاءاللہ صاحب زادے اب جوان ہوتے ـــــ کام کاج سنبھالنا تو اُنہی کو ہے ـــــ زمینات اور موضعے کی دیکھ بھال اور جانے کے لئے کچھ دِنوں کے لئے گاؤں بھجوا رہے ہیں ـــــ اس پر تو بیگم صاحبہ معترض نہ ہوں گی ـــــ آخر مرد ہی کام سنبھالا کرتے ہیں ـــــ!"

تھوڑی دیر سوچ کر نواب صاحب بولے : "کیا یہ نئیں ہو سکتا کی روز جائیں اور شام کو یا رات پڑے واپس آجائیں ـــــ؟"

"اس میں خرابی یہ ہوگی کہ جس ماحول کی یکسانیت انہیں درکار ہے وہ باقی نہیں رہے گی ـــــ رات کو یہاں آجاتے سے پھر وہی محل ہوگا، وہی لڑکیاں، وہی ماحول، چند روز متواتر وہاں رہ جائیں گے تو ایک نئی دُنیا سے روشناس ہو جائیں گے۔ آخر تو پھر اُسی

محل میں واپس آنا ہی ہے نا ــــــ؟"

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں ــــــ" اُنہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:
"اولاد کی محبت میں انسان کیسا کیسا خوار ہوتا ہے ــــــ ابھی مولیٰ جانے قسمت اور کیا
دکھاتی ہے ــــــ!"

محفل اپنے عروج پر تھی ــــــ سجے ہوئے بڑے کمرے کے ایک طرف مسند بچھی
ہوئی تھی ــــــ زرکار، منقش ــــــ صرف وہ حصہ جہاں بیٹھا کرتے ہیں مخملیں تھی، باقی سب
طرف، حاشیوں میں وسط میں کارچوب کا کام کیا ہوا تھا ــــــ گاؤ تکیوں میں پیٹھ سے
مس ہونے والا حصہ چھوڑ کر سلما ستارے کا جگمگاتا کام کیا ہوا تھا ــــــ اُس مسند پر کارچوب
اور سلما ستارے سے بھی زیادہ جگمگاتی ہوئی ایک خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی گا رہی تھی:

باغ میں گُل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
اُنگلیاں سرو اُٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
جیتے جی کون عیادت کے اُٹھائے احساں
اِس لئے جان سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

ذاکر خاں کے ہمراہ جب نواب سرفراز اس محفل میں قدم رنجہ ہوئے تو وہ
اس شعر پہ تھی ؎

دیر قاصد کو لگی اے دلِ مُشتاقِ جمال
دیکھئے ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

نواب سرفراز اپنے باپ پر ہی پڑے تھے ــــــ اداؤں میں نسوانیت کا اندازہ
تھا، کیا ہوا، تھے تو مرد ــــــ بھرپور کھلائی پلائی ــــــ اٹھارہ سال کے تھے، لیکن
ابھی عمر سے دُگنے لگتے تھے ــــــ اونچا پورا قد ــــــ بنی ہوئی تیار کاٹھی ــــــ مضبوط ہاتھ

بالوں ـــــ سُرخ و سفید رنگ ۔ گھنے گھنے ہلکی لچک لئے ہوئے سیاہ بال ـــــ کالے چھلّے کے بھی خوب تھے ـــــ جب تک بات نہ کرتے محفل میں موجود لوگوں کی نظر اُن پر سے نہ ہٹتی ـــــ بس بات کرتے ہی سارا سحر ٹوٹ جاتا ـــــ

اور اُس وقت تو وہ خاموشی کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے ـــــ اور کِس انداز سے ـــــ چمکتا ہُوا اطلس کا سفید پاجامہ ـــــ ریشمی کُرتے کا کلی دار کُرتا، پٹیوں میں ہیرے کے بٹن جگر مگر کرتے ہوئے ـــــ انگلیوں میں بھاری نگوں کی دو انگوٹھیاں ـــــ مونہہ پہ ہلکا ہلکا پسینہ جو انہیں اور بھی جاذبِ نظر بنائے دیتا تھا ۔ ایک ہاتھ میں سفید جھینگ جیسا رومال سلیقے سے پکڑے ہوئے تھے ـــــ اُن کی وجیہہ شخصیت کا سب سے دلکش پہلو اُن کے بال اُس وقت جمے ہوتے تو یہ حسن اور بانکپن پیدا نہ ہوتا ـــــ ایک دو چھلّے ماتھے پہ آگرے تھے، جنہیں انہوں نے مارے گھبراہٹ کے پیچھے کرنے کی بجائے یونہی چھوڑ دیا تھا ـــــ

گانے والی نے انہیں کَن انکھیوں سے آتا دیکھا، حاضرینِ محفل نے پوری پوری آنکھوں سے دیکھا اور شعر کے بول مزا دے گئے ـــــ اُن کے داخل ہوتے ہی مغنیہ نے دوبارہ جان کر دہی شعر پڑھا ؎

دیر تک صدکوئی اے دِلِ مُشتاقِ جمال
دیکھئے ہم کو بُلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

کسی نے آوازہ کسا :

"اجی حضت اُلوں خود ہی آگئے ـــــ" اور سب نے بیک وقت نواب سرفراز کی طرف دیکھا جو جھینپے جھینپے گدیلوں پہ بچھی چاندنیوں میں سے ایک کے کونے پر ذرا اُدھر سے ٹِک گئے تھے ـــــ

سازوں کے شور میں ایک قہقہہ بُلند ہوا ۔ مغنیّہ کے گانے میں کوئی خلل نہ پڑا ۔

وہ اپنی رس بھری آواز سے گاتی ہی رہی ——

ساتھ دُشمن کے وہ کیا آتے قیامت آئی،
خاک میں ہم کو مِلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

لوگوں کی آدھی توجہ گانے سے ہٹ کر نواب سرفراز کی طرف ہو گئی تھی —— نئے نئے دُولھوں کی طرح اُن کا محفل میں شرمائے شرمائے انداز سے بیٹھنا سبھی کو متوجہ کئے لے رہا تھا —— وہ کبھی کبھار ایک لمحے کو نظر اُٹھا کر حاضرین کو دیکھتے، پھر گانے والی کو دیکھ کر فوراً نظر جُھکا لیتے —— ایک بار اُنھوں نے ایسے ہی اچٹتی ہوئی نظر سے مغنّیہ کو دیکھا تو وہ مُسکرا کر گانے لگی ——

کون آتا ہے بُرے وقت کسی کے پاس لے داغ
لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اس کے بعد اور غزلوں کی فرمائشیں ہوئیں —— وہ گاتی رہی، سُننے والوں کا دل لبھاتی رہی —— سرفراز نواب شرما شرمی بیٹھے سُنتے رہے —— وہ ان کی جھجک کو مُسکرا مُسکرا کر دیکھتی اور مزے لیتی رہی ——

رات گئے جب محفل برخواست ہوئی، ساز بڑھا دئے گئے —— مرجھائے پھولوں کی پتیوں اور تھالیوں میں پڑے سوکھتے پانوں کو سمیٹ کر چاندنیاں جھٹک دی گئیں۔ تو بھی نواب سرفراز اُسی چاندنی پر، اُسی کونے میں، اُسی انداز سے ٹکے بیٹھے رہے —— سب لوگ اُٹھ کر چلے گئے —— مغنّیہ نے ہنس کر اُن کی طرف دیکھا —— اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے قریب آئی ذرا دوری پر ہی رُک کر مُسکرائی ——

"کہئے قبلہ —— اب کیا ارادے ہیں ——" نواب سرفراز اسکول میں داخل ہونے والے پہلے دن کے بچے کی طرح کسمسا کر رہ گئے ——

"آپ نے ——" وہ رُک رُک کر اِٹھلا اِٹھلا کر بولی: "کوئی جواب نہیں دیا حضور!"

اب کی بار اُنہوں نے سر اُٹھا کر ایک لمحے کو دیکھا ــــــ مجھ سے کہلایا گیا ہے کہ آپ کی شرم و حیا دُور کروں ــــــ کیسے کروں گی ــــــ" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی : "سخت مُشکل ہے"
نواب سرفراز یونہی بیٹھے رہے ــــــ چہرے پر ہلکی سی مُسکراہٹ تک نہ آئی ــــــ گھبراہٹ البتہ ہویدا تھی ــــــ

"مونہہ میں موتی ہیں کیا ــــــ؟ اچھا بات کرنے سے گر جائیں گے ــــــ! اسی لئے مُونہہ نہیں کھول رہے ہیں نا آپ ــــــ!!" وہ ہنسی ــــــ "اچھا ــــــ وعدہ رہا ــــــ سارے موتی سمیٹ کر آپ ہی کو دے دوں گی ــــــ چور نہیں ہوں ــــــ" ساری باتوں کے جواب میں نواب سرفراز نے اتنا کہا :

"نیند آرہی ہے میں سوتی ــــــ" وہ ہنس کر بڑے لاڈ سے بولی : "تو سوتی تو میں کب جاگتی ــــــ میں بھی سو جاؤں گی ــــــ" نواب سرفراز نے اُس کے اس انداز پر چونک کر اُسے دیکھا تو وہ بڑے عجیب سے لہجے میں کمر پہ ہاتھ رکھ کر بولی ۔

"مرد ہیں تو مردوں کی طرح بات کیجئے نا ــــــ یا پھر کنگنی پہن لیجے ــــــ لیکن آپ کے ہاتھ تو مردوں ہی کی طرح مضبوط اور بڑے بڑے ہیں، میرے کنگن چھوٹے پڑ جائیں گے ــــــ خیر سُنار سے کہہ کر بڑے بنوا لوں گی ــــــ" نواب سرفراز کو اس کے طعنے بھرے انداز گفتگو سے عجیب کوفت ہوئی ــــــ محل میں تو بچپن سے لے کر آج تک کسی نے ایسی بدتمیزی اور تیزی سے بات کرنے کی جرأت نہیں کی تھی ــــــ ذرا غصّے سے بولے :

"کیا میں چوڑیاں پہنوں گی ــــــ؟"

"انداز تو یہی بتاتے ہیں کہ آپ چوڑیاں بھی پہنیں گے ، دُوپٹہ بھی اوڑھیں گے، مہندی بھی رچائیں گے اور ــــــ" وہ ہنسی ــــــ "سنگھار بھی کریں گے ــــــ"

"ذاکر چچا بولے تھے گاؤں لے جا رہیں ــــــ" امی حضور سے جھوٹ بولے اُنہوں ــــــ میرے کو کال لا کے پٹخ دیئے ــــــ" اُن کے لہجے میں غصّہ بھرا ہوا تھا ــــــ

"بہت بُری جگہ ہے کیا یہ ——" وہ ناک چڑھا کر بولی —— انہوں نے سر اٹھا کر پہلی بار کھُلی اور پوری آنکھوں سے اُس کا چہرہ دیکھا —— خوبصورت چہرے پُر چڑی ہوئی تیکھی سی ناک، جس میں ایک ننھی جھلملا رہی تھی اور اُس نے اُس وقت ناک سکوڑی ہوئی تھی اور بُرا دا بنی ہوئی تھی ——

"نہیں تو کیا اچھی ہے ——" وہ اُس کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولے؛ "پلنگ بے نا مسہری ——" "آپ نے کیا سمجھا تھا ایسے ہی کسی سرائے میں چلے آئے ہیں؟ آیئے میرے ساتھ —— اُٹھیئے، آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں ——" وہ تحکّم سے بولی۔

وہ اُٹھے —— کس قدر بلند و بالا شخصیت ہے! اُس نے سوچا —— وہ اُن کے سامنے کتنی چھوٹی سی لگ رہی تھی —— اُن کی شخصیت کے سامنے دب کر رہ گئی تھی —— کوئی نہیں کہہ سکتا میں اُن سے بڑی ہوں —— اُس نے اپنے آپ میں سوچا —— وہ اپنے سفید سفید پیر سلیم شاہی جوتیوں میں پرو چکے تھے —— آگے پیچھے چلتے چلتے وہ ایک آراستہ پیراستہ کمرے میں پہنچ گئے —— وہ کمرے کی نفاست اور سجاوٹ کو مونہہ اونچا کر کے دیکھا کئے —— بولے کچھ نہیں —— آنکھوں نے البتہ پسندیدگی کی چغلی کھا دی۔

"ہم تو بس ایسے ہی ہیں فقیر لوگ —— آپ نواب صاحبان! اللہ ہی جانے کیسے قیام کر سکیں گے ——" وہ انہیں جلانے کو بولی اور مونہہ پھیر کر مسکرانے لگی —— انہوں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی —— پھر وہ پلٹی اور انہیں سمجھانے لگی۔

"دیکھئے آپ کا سارا سامان وہ ساتھ والے چھوٹے کمرے میں ہے —— کپڑے الماری میں لگا دیئے گئے ہیں —— جوتوں کا غالباً آپ کو بہت شوق ہے۔ ڈھیر سارے آتے ہیں تھوڑے بہت اس خانے میں —— سنگھار میز کے نچلے والے خانے میں رکھ دئے ہیں۔ باقی چھوٹے کمرے میں —— آپ تو دیر سے آتے۔ بگھی بھر سامان شام ہی کو پہنچ چکا تھا۔ میں نے سینت سجا کر رکھ دیا تھا —— تولیں کھونٹی پر بھی ہیں اور ساتھ والے حمام میں بھی ——

ضرورت کی ہر چیز آپ کو مل جائے گی ـــــ صرف میں نہیں ملوں گی، اس لئے کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے ـــــ''

''نہیں ـــــ نہیں ـــــ'' وہ اپنا انگوٹھیوں والا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بولے ـــــ ''ایسی بات نہیں ـــــ آپ تو ـــــ آپ تو ـــــ''

''آپ تو ـــــ کیا ـــــ بات پوری کیجئے نا ـــــ وہ شریر سی ڈھٹائی سے بولی: ''سُنوں تو بھی کہ میں کیا ہوں! مگر وہ جھجک کے مارے اپنی بات پوری نہ کر سکے ـــــ کمرے میں یہاں سے وہاں تک نرم گدگدا قالین بچھا ہوا تھا ـــــ قالین ہی پر ایک طرف اخروٹ کی لکڑی کا منقش صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا ـــــ کونے میں ایک طرف دیوار گیر الماری تھی ـــــ دیوار سے لگ کر بیچ میں بڑا سا چھپر کھٹ جس پر چھپت گیری ہوئی تھی۔

اُنہوں نے ایک نظر اُسے دیکھا اور آگے بڑھ کر دھیرے سے صوفہ پر بیٹھ گئے۔

''آپ بھی بیٹھئے نا ـــــ'' وہ بہت نرمی سے بولے۔

''خُدا کا شکر ہے اتنے اخلاق مند تو ہیں ـــــ'' وہ بھی دوسرے صوفے پر ٹک گئی ـــــ''آپ کے لئے چائے کھانے کا بندوبست کروں ـــــ''

وہ جلدی سے بچّوں کی سی بے تابی سے بولے: ''کھانا تو میں کھا کر آگئی تھی...''

اِک دَم اُس کی ہنستی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر جیسے ان کی زبان کو روک لگ گئی۔ محل میں پچھلے تین چار دنوں سے مُسلسل ایک دوسرے کی خبر لی جا رہی تھی، انہیں بھی اُکسایا جا رہا تھا کہ زبان بدلیں۔ لیکن اُن پہ کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا ـــــ اس وقت وہ خود ہی رُک گئے ـــــ پھر تھوڑی دیر بعد بولے ـــــ

''میں کھانا کھا کر آگیا تھا ـــــ''

''دیکھئے ـــــ'' وہ تعریف بھرے لہجے میں بولی ـــــ'' صرف ایک جملے نے آپ کی شخصیت کو کتنا بدل دیا ـــــ آخر آپ ایسی بات کرتے ہی کیوں ہیں ـــــ''

وہ شکایتی انداز سے بولے: ـــ "بھی ایچ تو ایسی بات کرتے میں کرزی تو کیا ہُوا"
ایک دَم اُنھوں نے رومال والا ہاتھ مُونہہ پر رکھ لیا ـــ "میں کرا تو کیا ہُوا ـــ" پھر وہ خود ہی ہنس پڑے ـــ

"آپ کو نیند آرہی ہوگی ـــ" وہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔
"اب میں چلوں ـــ بڑے فانوس کا بٹن یہ بیچ والا ہے ـــ رات کی ہلکی بتّی کے لئے یہ والا بٹن دبایئے گا ـــ آں ـــ؟" اس نے بڑی ادا سے جھک کر آں کہا۔

نواب سرفراز بے چینی سے بولے: ـــ "آپ کو نیند آرہی ہو میں گی تو ویسا بولیے میرے کو تو نئیں آرئی ـــ" وہ سمجھ گئی کہ وہ اُسے روکنا چاہ رہے ہیں لیکن شرم اور جھجک اجازت نہیں دیتی ـــ مُسکرا کر بولی۔

"میں تو رات رات بھر بھی جاگوں تو نیند نہیں ستاتی ـــ
"تو پھر بیٹھئے نا ـــ" بالآخر وہ بول ہی گئے ـــ
"آپ کی نیند خراب ہوگی ـــ"
"میرے کو نیند نئیں آرئی ـــ"
"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ کہہ رہے تھے کہ نیند آرہی ہے میں سوتی ـــ" اُن کے ہنسنے پر وہ شرمندہ سے ہو گئے ـــ بولے:
"اصل میں زندگی میں پہلی بار امّی حضور ہور محل سے الگ ہوئی ـــ ہُوا نا" انھوں نے جلدی سے خود ہی اپنی غلطی دُرست کرلی ـــ
وہ چُخ چُخ کرکے بولی: ـــ "بھئی یہ تو بہت ہی بُرا ہوا کہ اتنے ننھے منّے سے پاپا کو امّی سے الگ کردیا گیا ـــ دودھ کی بوتل کا انتظام کروں؟"
وہ معصومیت سے بولے: "آپ تو ہم سے مذاق کررہے ہیں ـــ"

وہ اپنے کنگنوں سے کھیلتی ہوئی بولی : مذاق نہ کروں تو اور کیا کروں —— آپ دیکھنے میں تو اچھے خاصے مرد ہیں اور باتیں ایسی کرتے ہیں ——"

"اب سے میں کروں گی —— نہیں کروں گا ——" ایک ساتھ دونوں ہنسنے لگے ——

"اچھا جناب آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں ——" وہ ہنستے ہنستے بولی ——

"نواب سرفراز سطوت ——" وہ ذرا اکڑ کر بولے۔

"شاباش ——" وہ زور سے ہنس کر بولی —— اچھے بچے اپنے نام کے آگے نواب ضرور لگایا کرتے ہیں ——"

وہ حیرت سے بولے : "ایسا نہیں بولنا کیا ——"

"نہیں بولیں گے تو کیا آپ نواب نہیں رہیں گے ——؟" وہ پھر نرمی سے بولی۔

"اگر زندگی بھر آپ کو یہی احساس رہا کہ آپ نواب ہیں تو دانستہ، نادانستہ آپ سے کئی دِل ٹوٹیں گے ——" اچانک اُس کا لہجہ دُکھ سے بھر گیا ——

وہ کچھ نہ سمجھے —— "اب سے نہیں بولوں گی —— نہیں بولوں گا ——" اس بار وہ نہ مسکرائی نہ ہنسی —— تھوڑی دیر یونہی خاموش رہی —— پھر نواب سرفراز ہی بولے ——

"آپ تو اپنا نام بتاتے ہی نہیں ——"

"توبہ ——" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"آپ کس بات پر توبہ کر رہیں ——" وہ حیرت سے بولے تو وہ ذرا تکلیف سے مسکرائی ——

"میرا نام ہی توبہ ہے ——"

"یہ ایسا کیسا نام ہے ——" دادی ماں تو بولتے کی گناہ بہوت کرے تو توبہ کرتے۔

نام تو توبہ نہیں ہونا چاہیئے نا ــــــ"

"لوگ گناہ کرتے ہیں تو توبہ کرتے ہیں ــــــ میں تو سراپا گناہ ہوں ــــــ کتنی توبہ کرتی اس لئے اپنا نام ہی توبہ رکھ لیا ــــــ" وہ گُنگنی حیرت سے بولے۔

"آپ کا نام آپ خود ایسے رکھ لئے ــــــ ماں باپ نہیں رکھے ــــــ"

"ہماری دُنیا میں ہم خود ہی اپنے نام رکھ لیتے ہیں ــــــ"

"آپ کی دُنیا کون سی ہے ــــــ" وہ تھوڑی دیر چپ رہ کر بولے۔

"میں ایک طوائف ہوں ــــــ پاتر ــــــ"

اٹھارہ سال کا ایک جوان مرد ــــــ بھلے اُس کے انداز نسوانی ہوں ــــــ لیکن جو پڑھا لکھا بھی ہو ــــــ بچپن سے خاندان بھر میں ناچ رنگ کی محفلیں بھی دیکھ چکا ہو، ایک نوابی ماحول کا مرد ہو ــــــ وہ اس نام سے چونک تو نہیں سکتا ــــــ وہ تھوڑی دیر اُس کے معصوم چہرے کو دیکھتے رہے پھر بڑی سچائی سے بولے :

"مگر آپ کے چہرے سے تو نہیں لگتا ــــــ"

"چہرہ ــــــ کتاب نہیں ہوتا ــــــ پھر بھی پڑھا جا سکتا ہے ــــــ آپ نے چہرے کی کتاب تو پڑھ لی لیکن ماتھے کی وہ تحریر نہیں پڑھی جو میرا مُقدّر ہے ــــــ" نواب سرفراز اُلّوؤں کی طرح اُس کا مونہہ دیکھتے رہے ــــــ!

اُس کے چلے جانے کے بعد بھی بڑی دیر تک اُنہیں نیند نہیں آئی ــــــ لیکن اُنہیں سخت حیرت یوں تھی کہ یہ بے خوابی ماں، باپ، دادی یا بہنوں سے چھٹنے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ جوان سے صرف ایک دیوار آڑے تھی اسی کے چھٹنے یا چلے جانے کی وجہ سے تھی ــــــ

صبح نئے انداز سے جلوہ گر ہوئی ــــــ محل میں جب وہ صبح ہی صبح ــــــ اور ان کی صبح دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی، اُٹھتے تھے تو چوطرف سے چھوکریاں انہیں

گھیر لیتی تھیں ـــــــ

"ایو چھوٹے نواب اب اُٹھئے نا ـــــــ"

"اللہ پاشا پانی ٹھنڈا ہو کو جارا ـــــــ"

"چھوٹے نواب پڑے پڑے اُجاڑ لکڑی کے ٹکڑے ہو جائیں گے ـــــــ"

"چھوٹے پاشا ـــــــ آپ آج چیلا کھانے کی تیاشہ کی اُبلاوا انڈہ ـــــــ"

ادھر سے ایک پاؤں دباتی ـــــــ دوسری سر میں مالش شروع کردیتی ـــــــ کوئی اُنگلیاں چٹخاتی اور یہ مزے مزے میں کروٹوں پہ کروٹیں لئے جاتے ـــــــ بیچ بیچ میں چھوکریوں کی گردان جاری رہتی ـــــــ

"ایو سرکار اب کب تک پڑے رہتے ـــــــ"

"اُٹھتی نا ابھی ـــــــ" وہ کسمسی نکالتے ـــــــ ہاتھ پاؤں تناتے۔

یہاں ابھی ملگجا ملگجا اُجالا اور ہلکا ہلکا اندھیرا باقی ہی تھا کہ کسی نے مترنم آواز سے تلاوت کرنی شروع کردی ـــــــ اُنھوں نے پڑے پڑے سوچا کہ وہ کہاں ہیں ـــــــ پھر رات کا اپنا آنا یاد آگیا ـــــــ تلاوت کی آواز بند ہوئی ـــــــ پھر دھیرے دھیرے ایک چاپ اُن کے کمرے تک پہنچی۔ کوئی دروازے میں رُک گیا۔

"آپ نماز کے لئے اُٹھیں گے ـــــــ؟" وہی آواز تھی ـــــــ رات والی۔

دوسرے کمروں میں ہل چل ہورہی تھی ـــــــ پتہ نہیں لوگ جاگ اُٹھے تھے یا سوئے ہی نہیں تھے ـــــــ اُن کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں ـــــــ وہ ابھی تک دروازے ہی میں کھڑی تھی ـــــــ یہ اپنے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ چکے تھے ـــــــ پھر وہ اندر آئی ـــــــ بٹن دبا کر اُجالا کیا ـــــــ دیکھا تو وہ سر جھکائے بستر پہ بیٹھے تھے۔

"آپ تو سرفراز ہیں نا ـــــــ سرفراز کے معنی آپ کو معلوم ہیں ـــــــ؟ سربلند۔ پھر آپ یوں سر جھکائے کیوں بیٹھے ہیں ـــــــ؟" اُنھوں نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا ـــــــ

کس قدر نکھری اور ستھری صاف شفاف اور نفیس عورت تھی ـــــ رات کا سراپا ابھی تک آنکھوں میں تھا ـــــ انہوں نے پہلی بار کسی عورت کو ساڑی میں دیکھا تھا ـــــ گھر میں دادی اماں سے لے کر، امی حضور تک اور بہنوں سے لے کر نوکرانیوں تک سب چوڑی دار اریبی پاجامے، یا کھڑے چار کلی کے پاجامے یا آڑے پاجامے کرتے پہنتی تھیں ـــــ اس پر اوڑھنیاں یا چھ گزی کھڑے دوپٹے ـــــ ساڑی کا محل میں چلن نہیں تھا ـــــ بابا حضور امی کے لئے دو تین موقعوں پر ساڑیاں لائے تھے لیکن وہ ساس کے ادب اور خوف سے پہنتی نہ تھیں ـــــ دادی اماں کہتی تھیں :

"یہ پاتروں کا پہناوا ہے اُجاڑ ـــــ"

رات کو اُس نے ہلکے نیلے رنگ کی باریک جارجٹ کی ساڑھی اور اسی رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا ـــــ ساڑی پر نیلے بادلے کی کامدانی ٹری ہوئی تھی ـــــ زیوروں میں بھی نیلے رنگ کے نگ جڑے ہوئے تھے ـــــ ہاتھوں میں نیلے نگوں کا حیدرآبادی جوڑا تھا جو ہر جنبش کے ساتھ جھل جھل کرنے لگتا تھا ـــــ آنکھیں جو قدرتی طور پر نیلا ہٹ لئے ہوئے تھیں۔ لباس کے ساتھ بُری طرح میل کھا رہی تھیں ـــــ نیلے لباس میں گلابی چہرہ پھول کی طرح رکھا ہوا تھا ـــــ کانوں میں لمبے لمبے جھمکے لٹے ہوئے نیلے آویزے اور گلے میں نیلا جڑاؤ گلوبند ـــــ پھر اس کا پلّو سنبھالنے کا نزاکت بھرا انداز ـــــ جب بھی آنچل ڈھلک جاتا، وہ لمبی لمبی کافوری مُنی انگلیوں سے، دو چٹکیوں سے شانے کے پاس سے ساڑی کو پکڑتی اور دھیرے سے مرمریں گردن تک لے جا کر پتّو یوں ٹکا دیتی کہ ساڑی پر ٹانکا ہوا طلائی حاشیہ کوندے اٹھتا۔

اور اب وہ سفید ساڑی اور سفید ہی بلاؤز میں ملبوس نورانی چہرہ لئے اُنہیں جگا رہی تھیں ـــــ نہ جسم پر زیور تھا نہ رات والا سنگھار ـــــ لیکن اس وقت چہرہ رات سے کہیں زیادہ پاکیزہ لگ رہا تھا۔

"آپ مونہہ ہاتھ دھوئیں تو چائے ناشتہ بھجواؤں ـــــ" وہ ایک چھلانگ مار کر بستر سے اُترے۔

"نہیں میں پہلے نماز پڑھوں۔۔۔ گا ـــــ" وہ ذرا رُک کر بولے اور اُسے دیکھ کر مُسکرا دیئے۔

"مجھے پتہ تھا محل میں آپ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں ـــــ یہاں ضرور پڑھیں گے ـــــ دیکھئے رات ہی کو میں نے جا نماز مسہری کے سرہانے لٹکا دی تھی"

ناشتہ کمرے میں ہی لگ گیا تھا ـــــ وہ پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے بولے۔

"آج صبح آپ کیسا اُٹھ گئے ـــــ؟"

وہ ہنسی ـــــ "میں سوتی تو اُٹھتی نا ـــــ میں رات سے ہی جاگ رہی ہوں"

"وہ کاہے کو ـــــ؟" وہ حیرت سے بولے ـــــ "آپ کو نیند نہیں آتی ـــــ؟"

وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی ـــــ "نیند ہی تو نہیں آتی ـــــ" ایک دم وہ بات کا موضوع بدل کر بولی ـــــ

"آپ جلدی سے ناشتے سے فارغ ہو لیں تو باغ میں ہوا خوری کو چلیں گے ـــــ"

"آپ کے گھر میں باغ ہوتا ـــــ؟" وہ بچوں کی سی خوشی سے بولے۔

"ایسے ہی غریبا مئو چھوٹا سا باغ میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے"

"پھر تو وہ بہت اچھا ہوئیں گا ـــــ" وہ ایک مرد کی طرح بولے۔

"کیوں ایسی کیا خاص بات ہو گئی ـــــ" وہ ترچھی نظر سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں ایسے ہی ـــــ بولا ـــــ" اور وہ جھینپ کر ہنس دیئے۔

"ارے میں بھی کیا بد اخلاق ہوں ـــــ آپ کو کھانے کو بھی نہیں بولا ـــــ" وہ ندامت سے بولے "کھائیے نہ کچھ ـــــ"

"یہ حکم ہے یا اصرار ـــــ" وہ مُسکرائی۔

"میں کیا حکم دیوں گی ـــــ نئیں نئیں میں کیا حکم دیوں گا ـــــ"

"کیوں آپ مجھے حکم کیوں نہیں دے سکتے ـــــ پتہ ہے آپ کی خدمت کے لئے مجھے پانچ ہزار روپے ماہانہ دئے جائیں گے ـــــ اس حساب سے میں آپ کی باندی ہوئی۔ آپ میرے آقا ـــــ"

باہر چڑیاں چوں چوں کرنے لگی تھیں ـــــ پرندے چہچہا رہے تھے۔ ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا اپنے دامن میں خوشبوؤں کو لئے ہی چلی آرہی تھی ـــــ ایسا منظر نواب سرفراز نے کبھی نہیں دیکھا تھا ـــــ اور ایسی باتیں بھی کبھی نہیں سنی تھیں اور ایسی دوسری دنیا سے آئی ہوئی مخلوق، جیسی کہ یہ عورت تھی، بھی کبھی نہیں دیکھی تھی ـــــ ان کا دل عجیب سے جذبات سے بھر گیا ـــــ سنجیدگی سے بولے۔

"زندگی میں آج تک کوئی ہمارا دل نئیں دکھایا ـــــ آپ کائے کو دکھاتے؟"

دن ایسے گزر رہے تھے جیسے سونے کے چھلے میں سے ریشمی دوپٹہ ـــــ سر سر ـــــ سر سر شادی میہانی میں کبھی ماں بہنوں کے ساتھ نواب سرفراز بھی جاتے تو ریتوں رسموں کو بڑے چاؤ اور حیرت سے منہ کھولے دیکھتے ـــــ ایک رسم انہیں بہت اچھی لگتی تھی ـــــ دولہا آرسی مصحف کے لئے دلہن کے تخت تک لایا جاتا ہے، لیکن سسرال والیاں خاص طور سے سالیاں، اور جوان بھابیاں، موممانیاں، رشتے ناتے کی سہاگنیں چڑھنے نہیں دیتیں ـــــ روکے رکھتی ہیں "جب تک اس چھلے میں سے ریشم کا دلہن کا دوپٹہ نہیں گزاروگے اوپر نہیں چڑھنے دیں گے ـــــ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے چھلا بھی پکڑو اور دوپٹہ بھی سنبھالو ـــــ" کوئی کوئی گھامڑ تو دونوں ہاتھ لگا دیتے اور پھر نیگ کے روپے لے کر ہی ان کو چھوڑا جاتا ـــــ اور کوئی کوئی مہارت سے ادھر چھلا پکڑا، چھوٹی انگلی میں ڈالا ـــــ دانتوں سے دوپٹے کا کونا پکڑ کے چھلے میں سے گزارا اور سر سر دوپٹہ چلا منزل کو ـــــ ادھر شور مچ جاتا ـــــ

"اے ہے یہ تو بے ایمانی ہے ـــــ ایک ہاتھ میں کرنا تھا ـــــ یہ تو دانتوں سے پکڑے رہئے ـــــ"

دُولہا والیاں بولتیں : ـــ "اَئی واہ دانتوں کی منا ہی تھی کیا ـــــ وہ تو دوسرے ہاتھ کو منع کرے تھے ـــــ" اِدھر ہنسی ہوتی رہتی اُدھر دُوپٹہ چھلّے سے پار بھی اُتر جاتا۔ بس اُسی طرح ان کے بھی شب و روز سونے کے چھلّے میں سے ریشم کی طرح سَر سَر گزر رہے تھے ـــــ نکلے جا رہے تھے۔

اب وہ محل واپس جائیں گے تو کیا کریں گے ـــــ ؟" یہ سوال بار بار اُن کے ذہن میں آتا تھا ـــــ اس نے انہیں بتایا تھا کہ وہ دو مہینوں کے لئے یہاں بھجوائے گئے ہیں ـــــ پہلی بات تو انہیں یہی نہیں معلوم تھا کہ آخر وہ کِس وجہ سے یہاں بھیجے گئے ہیں لیکن اب بھیج ہی دیئے گئے تھے تو واپس کیوں بلائے جائیں ـــــ ؟ ابھی کُل چھ دِن ہی ہوئے تھے اور یہاں ان کا ایسا دِل لگ گیا تھا کہ وہ دِل ہی دِل میں سوچ رہے تھے کہ بابا حضور سے کہہ دیں گے کہ کیسا بھی کر کے میرے رہنے کا اب یہیں انتظام کر دیتے۔

ایک عجیب نرالی دنیا تھی یہاں کی بھی ـــــ پہلے دن جب وہ آئے تھے، رات کا وقت تھا ـــــ مسند پر سامنے ہی وہ گانا گاتی بیٹھی تھی ـــــ ساتھ میں سازندے تھے ـــــ اندر باہر کچھ لڑکیاں اور عورتیں بھی آجا رہی تھیں ـــــ جب کچھ اندازا انہیں نہ ہو سکا تھا ـــــ اب پتہ چلا تھا کہ وہ سب بھی ناچتی گاتی تھیں ـــــ چھ دنوں سے خود اُس نے تو پھر محفل نہیں سجائی، دوسری لڑکیاں البتہ آنے والوں کا ناچ گانے سے دِل بہلاتی تھیں۔ انہوں نے ایک دِن پوچھا بھی ـــــ

" پہلے تو آپ گاتے بیٹھے تھے ـــــ جس دِن میں آیا تھا ـــــ اب کیوں نہیں گاتے آپ ـــــ ؟"

"گاؤں گی ـــــ ناچوں گی بھی ـــــ یہ تو میرا پیشہ ٹھیرا ـــــ اصل میں آپ کے

آنے کی خوشی میں سمجھئے یا آپ کی دِل بستگی کی خاطر، مَیں نے چھٹی کر رکھی ہے ـــــ"

"لوگاں آپ کا نام لے لے کر بہت پُکارتے ـــــ نا؟" روزانہ رات کو محفل سجتی اور دوسری لڑکیاں گانے بجانے بیٹھتیں تو وہ بھی سرفراز نواب کو لے کر وہیں آجاتی اور گلدستے کی طرح سج جاتی ـــــ گھر کے سارے لوگ اُسے بی بی کہتے ـــــ چھوٹی لڑکیاں بی بی آپا کہتیں ـــــ لڑکیاں گاتی رہتیں اور لوگوں کی نگاہیں اسی پر جمی رہتیں ـــــ گانے گانے لڑکیاں خفّت مٹانے کو اسے آمادہ کرتی رہتیں۔

"بی بی آپا ـــــ اب آپ آجائیں یہاں ـــــ سب لوگ آپ کی آواز کے مداح ہیں"

"بی بی آپا ـــــ نہیں گاتیں تو کم سے کم ہمارے سامنے آکر تو نہ بیٹھئے ـــــ ہماری سُبکی ہوتی ہے ـــــ" وہ مُسکرائے جاتی ـــــ ایسا وقار اُس کے چہرے پر تھا کہ لوگ نظر بھر کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ پاتے ـــــ ایسی کوئی بھاری بھرکم شخصیت بھی نہیں تھی ـــــ موزوں قدوقامت کی ایک خوب صورت عورت ضرور تھی، لیکن بے پناہ ملاحت ـــــ بعض عورتیں اِس قدر حسین، اتنی نفیس، اتنی باوقار اور کچھ ایسا رُعبِ حُسن لئے ہوتی ہیں کہ مرد ان کی تمنّا تو کرتے ہیں ـــــ لیکن چھوتے ہوئے ہمت نہیں ہوتی ـــــ ایسی عورتوں کو عزّت لُٹنے کا خطرہ نہیں ہوتا ـــــ مرد انہیں جی جان سے چاہتے ہیں ـــــ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ عورت چھونے کے لئے ہی بنائی گئی ہے، پھر بھی وہ رُعبِ حُسن سے گھبرا جاتے ہیں ـــــ نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتے۔

اور وہ بھی انہی عورتوں میں سے ایک تھی۔

وہ دِن نواب سرفراز کی زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا۔ ایسا لذّت آمیز دن

کہ وہ دنوں اس نشے میں سرشار رہے۔

محل میں یہ ہوتا تھا کہ جو نواب سرفراز نے کہہ دیا پتھر کی لکیر —— کسی کی مجال نہ تھی کہ حکم سے سرتابی کرے، ذرا کسی بات پر غصّے ہوئے اور لڑکیوں کی فوج کی فوج منانے اور خوشامد کرنے کے لئے تیار، اور یہ ہیں کہ مزید اینڈتے جا رہے ہیں مگر مُنہ کر نہیں دیتے —— آنے کے کوئی آٹھویں دن کی بات تھی کہ نواب سرفراز نے اس سے اچانک ہی کہا۔

"آج آپ بہُوت خوب صُورت لگ رہی ہیں ——"

"اچھا ——" وہ ہنسی "آئینہ دیکھ کر را ئے دوں گی۔ آپ کی پسند کا کیا بھروسہ" وہ بھی ہنس دیئے۔ بولے :

"آج آپ اور میں ذرا گھُومنے چلیں گے ——"

"گھُومنے ——؟" وہ آنکھیں پھیلا کر حیرت سے چلّائی : "کہاں ؟"

"ایسا ایچ —— پتھر گٹی —— چار مینار —— لاڈ بازار اور پھر . . . .

"بس —— بس —— بس ——" وہ شرارت کے موڈ میں تھی "بہت گھوم لئے بھئی —— تھک کر چُور ہو گئی میں تو ——" وہ سمجھ گئے کہ یہ ٹال رہی ہے۔ ذرا غصّے ہو کر بولے ——

"تو آپ نہیں چلیں گی کیا ——؟"

"میرا کہیں آنے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا ——"

"تو پھر آپ میرے سے بات بھی نہیں کرنا ——" وہ غُصّے میں بھر کر بولے تو وہ اُلٹ کر بولی۔

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے لئے مَری جا رہی ہوں ؟ ارے جناب آپ ایک دِن بات نہیں کریں گے تو میں سو دن نہیں کروں گی۔ آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ ہونہہ۔ اور وہ پیر پٹختی اُن کے کمرے سے نکل گئی۔

"ارے" وہ تُنتاتے میں آگئے ـــــ یہ تو سچ مچ بگڑ کر ہی چلی گئی ـــــ بجائے اس کے کہ مجھے مناتی، خود ہی غصّے ہو کر بیٹھ گئی ـــــ ارے واہ!

انہیں پھر بھی ایک آس تھی کہ شاید وہ آئے لیکن دوپہر کے کھانے پر روز کی طرح وہ بلانے نہیں آئی ـــــ بلانا کیا وہ تو خود ہی انہی کے کمرے میں ان کا اور اپنا کھانا لے کر آجاتی تھی اور ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق، شرارت اور چہلوں کے درمیان کھانا چلتا رہتا تھا ـــــ آج وہ کھانا لے کر کیا آتی، بوسیدہ مارے خالساماں آکر دروازے میں اڑ گیا۔

"نیاب صاب کانا کدر پہونچاؤں؟"

انہیں بے حد غصّہ آیا "کھانا کدھر پہنچاؤں ـــــ" اس شخص کی بات چیت میں حرف ہ کا کوئی گزر ہی نہیں ـــــ کہاں تو وہ ہنسی سے بھرپور باتیں۔ ہنستا ہنستا چہرہ۔ ہری بھری ادائیں اور کہاں یہ بڈھا جس کی بات میں ہ بھی نہیں آتا۔ ہنسی کیا آئے گی ـــــ غصّے سے تپ کر بولے:

"تمہارا نام کیا ہے جی ـــــ؟"

وہ ادب سے بولے: "ایدر میاں" (حیدر میاں) آج ان کو ہر بات پر غصّہ آرہا تھا نام دیکھو تو ایدر میاں ـــــ بات سنو تو، کانا کدر پونچاؤں" خوب غصّے سے بولے:

"بھاگ جاؤ ـــــ"

وہ نرمی سے بولے "باگ جاؤں؟"

انہیں شدید غصّے میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو، یہ اس کی شرارت ہے اور اسی نے مجھے جلانے کے لئے اس سڑے مارے بڈھے کو بھیجا دیا ہے ـــــ چھلانگ لگا کر بستر سے نکلے اور سیدھے اس کے کمرے میں ـــــ وہ بڑے سکون سے لیٹی ہوئی تھی۔

"آپ کے یہاں مہمانوں سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے کیا؟" وہ غصّے سے لال پیلے ہو رہے تھے ـــــ اس نے انہیں ذرا سا مسکرا کر دیکھا مگر پھر منہ پھیر لیا۔

"نے کے ایک بے ہودہ بڈھے کو میرے سر لاد دتے، آپ خود کھانے کا پوچھنے نہیں آسکتے تھے؟" ان کے اس طرح چیخنے چلانے پر اس نے صرف ایک نظر انہیں دیکھا وہ ایک نظر جس نے اٹھارہ سالوں کی سوئی ہوئی قوتوں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگا دیا۔ وہ اسی طرح پرسکون انداز سے بستر پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی —— ان کے چیخنے چلانے کا جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا اور نہ وہ بات کرنے ہی کے موڈ میں تھی۔

اچانک ان کا دم پھول گیا —— ایک ایسی تبدیلی انہوں نے اپنے آپ میں پائی کہ ان کا چہرہ بدل گیا —— اُسے یوں لیٹا دیکھ کر وہ اور بھی بے دم ہو گئے، سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، بڑی مشکل سے بہت مشکل سے انھوں نے آپ کو سنبھالا ——

"ہونہ بڑا اس لباس، ساڑی میں ہی کچھ گرد پڑ ہے۔ —— عورت پہن کر لیٹے تو کمر کے پاس کیسا قاتل خم پڑ جاتا ہے، انہوں نے اُسے گرسنہ نظروں سے گھورتے ہوتے سوچا۔

وہ ان کے جذبات کے مد و جزر سے بے خبر، یا جان بوجھ کر بے خبر بنی یونہی لیٹی رہی تھک ہار کر جب وہ اس کے کمرے سے نکلنے لگے تو انہیں لگا کہ شاید اس کے دل میں کچھ رحم آجائے اور وہ بلائے لیکن وہ تو منانے کے لئے بنی ہی نہیں تھی۔

ایک دن گزرا ——

دوسرا دن گزرا ——

تیسرا بھی دن گزر گیا —— رات آئی —— آج جانے کتنے دنوں بعد اس نے محفل سجائی —— ہارمونیم ہاتھ میں لینے سے پہلے حاضرینِ محفل کو بھرپور نظروں سے اور انہیں نواب سرفراز کو اچٹتی نظر سے دیکھ کر سازندوں سے مخاطب ہوئی۔

"محفل میں کوئی ہم سے خفا خفا ہے —— سمجھ میں نہیں آتا کیا گائیں کہ یہ خفگی دور ہو جاتے —— ؟"

نواب سرفراز پوری جان سے سنسنا گئے۔ اُف! یہ عورت تو مجھے مار ڈالے گی۔

غصے ہو جاؤ تو مناتی نہیں ـــــ بات کرو تو سنتی نہیں ـــــ مخاطب کرو تو بات نہیں کرتی اور
دور رہو تو آنکھوں کے کونوں سے بلا دیتی ہے ـــــ رعب داب ایسا کہ چھو نہ سکو۔
تو کیا کرو مر جاؤ ـــــ ؟ نہیں نواب سرفراز! محل چلو، وہاں بہت لڑکیاں ہیں۔
ان خیالات کی ڈور ٹوٹ گئی ـــــ سازوں کی سنگت میں اس کی آواز کا جادو
سارے میں بول رہا تھا ـــــ کیا گلے میں نور بھرا ہوا تھا ـــــ انہیں لگا کہ اگر یہ عورت
اندھیرے کونے میں بیٹھ کر بھی گائے تو اس کی آواز کے اجالے سے کمرہ روشن ہو جائے

کس مصیبت سے بسر ہم شبِ غم کرتے ہیں
رات بھر ہائے صنم ہائے صنم کرتے ہیں

وہ شعر پڑھنے کا انداز اور وہی اچٹتی ہوئی نگاہ پھینکنا ـــــ نواب سرفراز کو
محفل سے اٹھتے بن پڑ رہی تھی نہ بیٹھتے ـــــ

برسوں تڑپاتے ہیں جب تیغ علم کرتے ہیں
کس تکلف سے وہ تکلیفِ ستم کرتے ہیں
مجھ سے کہتا ہے یہ احسان جتا کر ظالم
ہم سوا تیرے کسی پر بھی ستم کرتے ہیں

اور پھر سب کو نظر انداز کر کے پوری پوری توجہ ان کی طرف کرنا لیکن اس میں بھی
ایک ادا کہ محفل سمجھے نہ سمجھے لیکن وہ سمجھ لے جس کے لئے گایا گیا ہے

ہم ہی بدنام ہیں جھوٹے بھی ہم ہی ہیں بیشک
ہم ستم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں!

پھر تحت اللفظ حاضرین کی طرف دیکھ کر، رک رک کر۔
"ہاں صاحب ہم ستم کرتے ہیں اور آپ تو کرم کرتے ہیں نا ـــــ"
ایسی رات انہوں نے اب تک نہیں گزاری تھی ـــــ اس میں ایک کیف بھی تھا

کسک بھی، دِل آزاری بھی، کچھ کھونے کا احساس بھی، کچھ پا لینے کی کیفیت بھی، ایک لذتِ بے نام ——

پندرہ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب محل پر آکر اپنے مریض کو دیکھنے آنے والے تھے اس لئے نواب صاحب نے ڈاکر خاں کو بھجوا کر ایک دِن پہلے ہی صاحبزادے کو محل بلوا لیا۔

جس صبح ڈاکٹر صاحب آنے والے تھے، اس سے پچھلی رات کو یہ ہُوا:

رات کو صاحبزادے کے کمرے میں دُودھ پہنچانے زیبون گئی تو سہی لیکن لَوٹی نہیں —— اس کی ماں بھی" چھوٹے صاحب کے پاؤں واؤں دبانے بیٹھ گئی ہوئی گی" ایک گھنٹہ —— دو گھنٹہ —— اِنتظار کرتے کرتے زیبون کی ماں سو گئی —— صُبح آنکھ کھُلی تو ہڑبڑا کر دیکھا، ابھی تک زیبون غائب تھی —— گھبرا کر چھوٹے سرکار کے کمرے کو بھاگی —— دروازے کو دھکّا دیا تو کھُل گیا —— سامنے جو منظر تھا اُس نے اُسے بال نوچنے اور سر پیٹنے پر مجبُور کر دیا ——

ملے جُڑے چھپر کھٹ پر پہلے تو زیبون دِکھائی ہی نہیں دی، جو غور سے دیکھا تو دو روحیں ایک جسم بن کر پڑی ہوئی تھیں اور سفید چادر پر گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

"مَیں لُٹ گئی پاشا!"

"مَیں برباد ہو گئی پاشا ——"

"آگے کیا ہُوا ——؟" صُبح ہی صُبح یہ ہنگامہ دیکھ کر وہ بوکھلا گئیں ——

"آگے کیا ہُوا —— بول تو سہی موئی ——"

"اب کیا بولوں پاشا —— بولنے کو مونہہ اپچ کہاں رہ گیا، وہ دھڑا دھڑ چھاتی کوٹنے لگی ——

دُلہن پاشا نے بڑے افسوس سے نواب شوکت کو رات کی واردات سُنائی تو وہ

ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

"مولیٰ کا احسان ہے ___ شکر ہے۔"

"اَئی کیا آپ کی مغز ماری گئی جی ___ یہاں ایک غریب بچّی کی عزت لُٹ گئی۔

ہور آپ مولیٰ کا شکر ادا کررئے ___"

"انسان بڑا خود غرض ہے بیگم ___ آپ کو کیا بتاتا، ہم آج کتنے خوش ہیں۔ ہمارے

سَر سے آج کتّا بڑا بوجھ اللہ ہٹایا۔"

ماں تو بے حد خوش تھیں کہ پندرہ دِنوں بعد بیٹا گاؤں سے آیا ہے لیکن الگ الگ باپ بیٹے کے دِل میں جیسے چکّی سی چل رہی تھی ___ نواب شوکت سوچ رہے تھے کہ اب صاحبزادے کو کیوں طوائف کے کوٹھے پر بھجوائیں ___ علاج تو پُورا ہو ہی گیا ___ اور صاحبزادے سوچ رہے تھے، دو دِن گزر گئے ہیں مجھے کیوں بھجوایا گیا تھا وہاں یہی پتہ نہ چل سکا اور اب رو کا کیوں جارہا ہے یہ بھی نہیں معلوم؟ لیکن اے مولیٰ کوئی مجھے نہ روکے، میں اب محل میں کیسے رہوں گا ___؟

ڈاکٹر صاحب آئے۔ تفصیلی باتیں ہوئیں ___ بے حد خوش ہوتے۔ بولے: "مجھے پتہ تھا میرا طریقِ علاج ناکارہ نہیں ہے ___ بہرحال ایک بچّی کی عزّت لُٹ گئی سخت افسوس کی بات ہے ___ خدا گناہوں کو معاف کرنے والا ہے ___ اچھی جگہ دیکھ شادی ضرور جلد سے جلد کروا دیجئے ___ وہاں دہیز اتنا دیجئے کہ ماں کے دِل کا غم بھی دُھل جائے ___ حالانکہ یہ داغ دولت سے نہیں دُھلتے ___ لیکن پھر بھی دولت دھبّوں کو چھپا ضرور دیتی ہے ___"

"زیبون کی شادی تو ہو جائیں گی۔" نواب صاحب بولے: "لیکن اب آپ یہ بتایئے کی صاجزادے کو ابھی اور بھی وہاں بھجوانا چاہیئے کی مطلب پورا ہو گیا ___؟"

"میرے خیال سے تو منزل مل چکی ہے ـــــ" ڈاکٹر صاحب مسکرا کر بولے۔
لیکن منزل کہاں، ابھی تو نواب سرفراز نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا ـــــ جو ان کے دل کو لگی ہوئی تھی اس سے سارا زمانہ بے خبر تھا۔

"ہو جی منشیاں دیوان لوگاں مر گئیں کیا کی میرے اتنے سر کے بچے کو ایکلا گاؤں پو بھیج دیئے آپ ـــــ اب اللہ خیر سے وہ آیا تو میں نئیں واپس جانے دیوں گی ـــــ" دلہن پاشا رات کو نواب شوکت سے بولیں:

"جیسی آپ کی مرضی مگر کام سیکھتے رہتا تو اچھا تھا ـــــ" وہ تو خواہ مخواہ بہانہ سازی کر رہے تھے ـــــ

"وئی تو میں بھی بول رئی تھی ـــــ چپ کا چپ بچے کے پیچھے پڑے رہتے ـــــ اب دیکھو نا پندرہ دن کے اندر اندر وہ لڑکوں کے جیسا بات کرنا سیکھ گیا کی نئیں ـــــ چار مردوں میں اٹھا بیٹھا تو آگیا محاورہ ـــــ آپ تو خود بچی عمر کا سمجھتے اس کو ـــــ" پھر وہ ہنس کر بولیں:

"آپ اس نے سیکھا بول کے سارے محل کے چھوکریاں کو مردانی بات چیت کرو بولے ـــــ اب کیا ہوا معلوم ـــــ بچیوں کے اسکول کے چھوکریاں تو چھوڑو، اپنے خاندان کے بھی سارے لڑکیاں بالیاں مردوں لڑکوں کے ویسی اچ بات کرے رئیں، اصل میں اللہ رکھو اپن چار پیسے سے خوش ہیں ـــــ پیسے والوں کی نقل تو سبھی کرنا فخر سمجھتے ـــــ میں تو بولتیوں اب حیدرآباد میں، ہمیشہ کے واسطے یہ رواج نہ پڑ جاتے کی لڑکیاں لڑکوں ہور مرد بچوں کے ویسی باتاں کر لیتے بیٹھے کیوں کی جتے بڑے بڑے گھرانے ہیں سب کی اپنی جان پہچان ہے ـــــ اپنے بچیاں کو مردانی بات چیت کرتے دیکھ کو وہ سمجھیں گے، یہ اچھی بات ہوئیں گی جبھی تو شوکت نواب ہور دلہن پاشا اپنے بچیاں کو سکھائے ـــــ"
وہ ہنس ہنس کر سنائے جا رہی تھیں لیکن آج نواب شوکت کو اس قدر اطمینان کی گہری

سانس لگی تھی کہ وہ خرخر کر رہے تھے ـــــ دُلہن پاشا ان کی نیند سے بے خبر خوشی خوشی پوچھ رہی تھیں : "ہو جی پندرہ دِن کے بعد میرا بچہ آیا ـــــ خانداں والوں کی دعوت کرتے ـــــ اس کو مُرغِ مُسلّم بہوت پسند ہے ، وہ بھی پکواتیوں کل . . . . . . اپنی بات کے جواب میں نہ ہوں سُنی نہ ہاں ـــــ جُھک کر دیکھا تو نواب صاحب بے سُدھ سو رہے تھے ـــــ

"ائی اُجاڑ ان پو تو جیسے نوے سرسے جوانی برس رئی ـــــ میں بات اچ کرتی ہوں اُتوں خراٹوں پے خراٹے لیتے پڑئیں ـــــ"

صُبح ہی صبح دلہن پاشا نے پچاس مُرغوں کے ذبح کرنے کا انتظام کرنے موذن صاحب کو بُلوا بھیجا ـــــ ماماؤں کو تاکید ہوئی کہ سارے میوے گھی میں تل کر ان کے پیٹوں میں بھریں ـــــ بادام ثابت ڈالیں ـــــ پھر ان کا خیال آیا کہ میٹھے کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا ہے کہ کیا پکے گا خود ہی بیٹے سے پوچھنے ان کے کمرے میں پہنچیں تو خالی کمرہ ان کی ہنسی اُڑانے لگا ـــــ

"آپ کو میری یاد آئی ؟" نواب سرفراز نے بڑی آس سے اس سے پُوچھا وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بچھ بچھ جائے گی ـــــ کہنے لگی : "اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف آپ ہی انگاروں پر سوتے ہیں " لیکن اس نے ایک ادائے بے نیازی سے انہیں دیکھا اور ذرا حیرت سے بولی :

"یاد ؟ کس بات پر اور کس لئے ؟" ان کا سارا جسم سُلگ گیا ۔

"آپ کو میں اچھا نہیں لگتا ؟" وہ غصّے سے بولے ۔

"اچھے تو لگتے ہیں " وہ چڑانے کے انداز سے بولی : "لیکن اس کا یہ مطلب تو

نہیں کہ آپ کو جگنی بنا کر گلے میں لٹکا لوں ــــ،، اور وہ یہ بات اپنے گورے گورے گلے میں پڑی جگنی کو جھلانے لگی ــــ نواب سرفراز تلملا گئے ۔ یہ کیسی عورت ہے؟ کسی بات سے نہیں جھلتی ــــ

"جی چاہتا ہے آپ کو کچا چبا جاؤں ــــ،،

"آپ میں یہ حیوانی صفات پیدا ہو رہی ہیں ــــ آپ کو کسی ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرنا چاہیئے ــــ،،

"مر گئے میرا علاج کرنے والے ــــ،، وہ جل کر بولے :" لوگاں بولتے عورتاں بہوت محبت کرنے والے ہوتے ــــ آپ تو اس کے الٹ ہیں بالکل ــــ،،

"پہلے آپ مجھے براہِ کرم یہ بتا دیں کہ ہم دونوں جھگڑا کس بات پر کر رہے ہیں ــــ،، وہ معصومیت سے ہاتھ ہلا کر بولی :

"دیکھئے، آپ کے ان باتوں سے میرا دماغ اوندھا ہو جائیں گا ــــ،،

"تو ابھی تک آپ کو یہ مغالطہ تھا کہ آپ کا دماغ سیدھا رکھا ہوا ہے؟" اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ۔

"اچھا چلئے دوستی کر لیتے ہیں ــــ آج صرف آپ کی خاطر گانا گاتے ہیں، آں!" جس لٹک سے جس انداز سے وہ سر کو ایک طرف جھکا کے مسکراتے ہوئے" آں" کہتی تھی تو وہ انداز انہیں پاگل کر دیتا تھا ۔

وہ آگے آگے ۔ یہ پالتو بنے پیچھے پیچھے ــــ وہ مسند پر جا کر بیٹھ گئی ــــ ہارمونیم کو اپنے سامنے کھینچتی ہوئی بولی :

"ساز کے ساتھ یا یونہی ــــ؟"

"آپ بنا ساز کے بھی بے حد سریلے ہیں ــــ،، وہ ترسے ہوئے لہجے میں بولے ۔
"دیکھئے جناب میں مرد نہیں عورت ہوں ــــ آپ کو مجھے اسی طرح مخاطب کرنا چاہیئے

یوں کہیئے : "بے حد سُریلی ہیں۔ مجھے ـــــ!" پھر انہیں سیدھی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی : "مدرسہ عالیہ میں تعلیم حاصل کی ہے نا؟ قواعد نہیں پڑھی آپ نے۔ صیغۂ مذکر صیغۂ مؤنث! آں ـــــ"

"آپ جو جو کچھ کہیں گے ـــــ معاف کیجئے۔ کہیں گی، میں سب مانوں گا۔ لیکن خدا کے واسطے آپ مجھ سے اچھی طرح رہا کیجئے ـــــ" اس نے کوئی جواب نہ دیا، ہارمونیم کے پردوں کو آگے پیچھے کیا اور ایک شعر اٹھایا :

ہم نے دِل سی چیز دے دی آپ کو
آپ کیا دیں گے سوائے دردِ دِل

نواب سرفراز بے تاب سے ہو گئے ـــــ پہلو بدل بدل کر انہوں نے شعر سنا ـــــ اچانک وہ رُک گئی۔

"اونہوں ـــــ یہ نہیں کوئی دوسری چیز ـــــ" اور وہ شروع ہو گئی :

کِس بات کی ہے حسن کی سرکار میں کمی
سب کچھ ہے ایک رحم نہیں اور کرم نہیں

یہ شعر نواب سرفراز کے حسبِ حال تھا ـــــ دِل کی ساری تڑپ چہرے پر کھنچ آئی ـــــ ایک دم وہ رُک گئی ـــــ" اونہوں کچھ جچا نہیں یہ بھی ـــــ تھوڑی دیر وہ یونہی سا توں سُر ملاتی رہی ـــــ پھر ہنس کر بولی : "یہ سُنئے۔ شاید پسند آئے"

وہ اگر حیلہ کریں، مدفن تک آنے کے لئے
ہاتھ نکلے ہیں جنازے سے بلانے کے لئے

"ذرا غور سے سُنئے گا حضور" :

شکل اچھی رنگ گورا بال لانبے چشم شوخ!
کس جگہ کی خاک لی تم نے بنانے کے لئے

"یہ تو آپ اپنی ہی تعریف کر رہی ہیں ــــ" نواب سرفراز ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

وہ برجستہ بولی: "تعریف ہوتی ہے تو حقیقت کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ سنئے:

چادرِ آبِ رواں بن کر لپٹ جاؤں گا میں
تم اگر اُترو گے دریا میں نہانے کے لئے

نواب سرفراز کا بدن سنسنا گیا ــــ انھوں نے کس کر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے: "دیکھئے آپ ظلم کر رہے ہیں ــــ"

"کر رہی ہیں ــــ" اس نے مسکرا کر تصحیح کی اور گاتی رہی:

یہ ادائیں یہ جفائیں یہ جوانی یہ ستم!
ڈھونڈھ لو مزدور کوئی بوجھ اٹھانے کے لئے

ہارمونیم روک کر ہنس کر بولی: "اپنے اپنے اندازِ نظر کی بات ہے۔ غالبؔ نوحہ گر کے مقدور نہ ہونے کا ماتم ہی کرتے رہ گئے ــــ یہ صاحب مشورہ دے رہے ہیں اور بُرا نہیں دے رہے ہیں کہ مزدور رکھ لیجئے ــــ" پھر بڑے مزے سے ذرا جھک کر بولی "آپ کی کیا رائے ہے ــــ؟"

"مجھے رکھ لیجئے ــــ" وہ فقیروں کی طرح بولے۔

"رکھ تو لیتی لیکن . . ." وہ ناک چڑھا کر بولی: "آپ مجھ سے چھوٹے ہیں میں آپ سے بڑی ہوں ــــ"

"اچھا آپ کی عمر کیا ہو گی ــــ؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ بتائیے کیا ہو گی ــــ؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"بیس سال ــــ" انھوں نے بے دھڑک کہا ــــ وہ بے طرح ہنسنے لگی ــــ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں سے پانی نکل آیا۔

"آپ اس طرح کیوں ہنس رہی ہیں؟" وہ پریشان سے ہو گئے۔

"میں اپنی کامیابی پر ہنس رہی ہوں ـــــ اس ایک لمحے کے لئے تو میں موت سے مُہلت مانگ لوں گی ـــــ"

•

ذاکر خاں نواب سرفراز کو جب لینے آئے تو وہ سخت گڑگڑائے کہ کیا جواب دیں ـــــ پھر انہیں رازدار بنانا چاہا۔

"ذاکر چچا! مجھے کیوں بُلایا ہے؟"

"بیٹے اَب کب تک یہاں رہیئے گا۔"

"بھجوایا کیوں تھا ـــــ؟" انہوں نے عجیب و غریب سوال کیا۔ بڑی دیر تک ذاکر خاں چُپ رہے۔ پھر بولے۔

"بیٹے ـــــ ویسے طوائفیں بدنامِ زمانہ ہوتی ہیں لیکن ان کے ہاں محفل کے آداب تمیز، قاعدہ، اندازِ گفتگو، اُٹھنے بیٹھنے کا جو سلیقہ ہوتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ ہر ایک کی بات میں نہیں کرتا، لیکن بعض تو اتنی مہذب ہوتی ہیں کہ شرفا اور اُمرا اپنے لڑکوں کو آدابِ محفل تو کیا آدابِ زندگی کھیئے سکھانے ان کے ہاں بھجواتے ہیں۔ آپ اپنی مثال بھی یونہی سمجھ لیجئے۔"

"تو کیا مجھے آدابِ زندگی آ گئے؟" وہ ذرا تلخی سے بولے۔ ذاکر خاں انہیں غور سے دیکھتے رہے ـــــ یہ انداز کسی لڑکی کا نہیں تھا ایک مرد کا تھا جو اگر اپنی ہٹ پر اَڑ جائے تو ٹھوکر سے طوفان اٹھا دے ـــــ ان کے دل میں خوشی کی ایک کرن چمکی۔ اپنی خوشی کو دبا کر بولے:

"آتے یا نہیں آتے، میں غریب آدمی کیا جانوں، لیکن بابا حضور نے بلایا ہے آپ کو چلنا تو چاہیئے بیٹے ـــــ"

"لیکن میراجی نہ چاہے تو؟" وہ تیزی سے بولے۔

"آدابِ زندگی اس عورت نے سکھائے ہوں یا نہ سکھاتے ہوں، آدابِ گفتگو ضرور اتنے کم عرصے میں سکھا دیتے ہیں ـــــ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو آج سے کچھ دن پہلے گھٹنوں سے سر تک نہیں اُٹھاتا تھا جس کی زبان تک نہیں کھلتی تھی، آج کیسے رواں دواں بہتے پانی کی سی گفتگو کر رہا ہے، ذاکر خاں نے دل میں سوچا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا ذاکر چچا ـــــ"

اُنہوں نے اس کی پیٹھ تھپکی: "اچھا بیٹا! آپ یہیں رہیے، میں نواب صاحب سے کہہ دوں گا کہ آپ ہارمونیم، طبلہ اور موسیقی سیکھنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک ہے!"

"اوہ ذاکر چچا ـــــ" وہ اچھل کر خوشی سے بولے "آپ واللہ میرے اصلی چچا ہیں ـــــ"

ذاکر خاں کے جانے کے بعد وہ خود ہی ان کے کمرے میں چلی آئی۔

"آپ کو واپسی کا بلاوا آیا تھا؟" انہوں نے اقرار کے طور پر سر ہلایا۔

"تو گئے کیوں نہیں؟" وہ مسکرائی۔

"یہاں دل بہت لگتا ہے ـــــ"

"پھر دو دن کیسے محل میں رہ گئے؟ وہ اُسے بے حد غور سے دیکھتے رہے۔ بڑی دیر بعد وہ بولے۔

"میں آپ سے کچھ لینا چاہتا تھا لیکن لینے کی ہمت نہیں پاتا تھا وہ میں نے محل میں حاصل کر لیا ـــــ" جب ایک مرد ایسی سنگین سچائی کا اعتراف اپنی محبوبہ سے کرے تو ہر چند کہ یہ بھیانک سچائی محبوبہ کا دل پھیر بھی سکتی ہے لیکن سمجھو کہ مرد اپنی محبت میں سچا ہے۔ اس کا دل پھرا نہیں بلکہ وہ خوش ہوئی اتنی خوش کہ اس کا چہرہ جگمگا گیا۔ مسکرا کر بولی:

"اور پھر بھی آپ اسے محبت کہیں گے ـــــ؟"

"میں... میں..." وہ پھپک پڑے۔ "میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔
وہ اگلے جملے کی منتظر رہی۔" میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں ـــــ" لیکن وہ یوں ہی
سر جھکائے سسکتے رہے۔

"آپ ہی بتایئے میں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہوں؟" وہ سنجیدگی سے بولی، وہ
خاموش اسے دیکھتے رہے ـــــ غالباً ابھی ان کی اتنی عمر نہیں تھی جو یہ سوچ سکتے کہ کسی عورت
کو حاصل کرنے کی سب سے آسان راہ شادی ہے ـــــ وہ شاید جسم کے حصول کو طلب
اور ساتھ سمجھ رہے تھے، اس معاملے میں بھی ان کا تجربہ بے حد کم تھا ـــــ زیبون کا جسم ان
کے اندر کے سرکش سیلاب کو بہا ضرور لے گیا تھا لیکن اس کے بعد اس کے ساتھ کی طلب یا
چاہ نے انہیں بے کل نہیں کیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ زیبون سے سیراب ہونے کے بعد تو انہیں
اور شدت سے وہ باوقار عورت یاد آئی تھی جس کو وہ پالینا بھی چاہتے تھے اور چھونے کی ہمت
بھی نہیں رکھتے تھے ـــــ جو سامنے بیٹھی انہی سے پوچھ رہی تھی: "آپ ہی بتایئے میں آپ
کے لئے کیا کرسکتی ہوں؟"

انہوں نے بھی وہی سوال اس سے کر دیا۔

"آپ ہی بتایئے میں کیا کروں ـــــ؟ میں ہر ہر لمحے آپ کے بارے میں سوچتا
رہتا ہوں ـــــ"

"ابھی میرے ترکش میں ایک تیر، بڑا کاری تیر باقی ہے ـــــ جذبۂ رقابت بیدار
کرنے والا تیر ـــــ اس تیر کی چبھن آپ کو سمجھا دے گی کہ آپ کیا کریں۔" اس نے خاموشی سے
سوچا ـــــ نواب سرفراز آس بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے کہ یہ اب کچھ لب لے، اب کچھ
بولے ـــــ لیکن وہ انہیں بس دیکھا کی ـــــ

اَگلے تین چار دنوں تک نواب سرفراز پاگلوں کی طرح اس کے قرب کی جستجو میں اس کے آگے پیچھے ہوتے رہے اور وہ ٹالتی رہی ـــــ صبح کی نماز کے لئے جگانے آتی بھی تو یونہی دُور سے آواز دے دیتی اور چلی جاتی ـــــ اس کے بعد وہ پہلے ہی کی طرح ہنسنے بولنے لگی ـــــ اس کا اکثر وقت انہی کے کمرے میں گزرنے لگا ـــــ وہی پیاری پیاری ہنسی۔ وہی شرارت بھرا انہیں جلانے چڑانے والا انداز ـــــ وہی ننھی منی لڑائیاں جو انہیں وصل کا ہی انداز لگتیں ـــــ اس نے نواب سرفراز کو اس قدر خود پر مائل کروالیا اور اپنے طور پر سمجھ لیا کہ اب وہ سوائے میرے کسی کی طرف نگاہ بھی نہیں اُٹھائے گی ـــــ پندرہ دن اس طرح گزر گئے کہ اس نے انہیں اپنے بدن تو کیا ہاتھ تک کو چھونے کی اجازت نہیں دی ـــــ اجازت کا کیا سوال تھا ـــــ ان میں خود اتنی جسارت نہیں تھی۔ حد یہ کہ پندرہ دِنوں بعد ذاکر خاں ڈاکٹر صاحب کے کہنے اور نواب شوکت کے بھجواتے پر انہیں لینے آتے تو انہوں نے صاف کہلا دیا :

" میں بچّہ نہیں ہوں کہ کسی کا ساتھ ڈھونڈوں ـــــ جب میرا جی چاہے گا، میں خود چلا آؤں گا ـــــ شہر میں قدم قدم پر تانگے، شکرام اور سواریاں موجود ہیں"

ذاکر خاں ایک بے نام سی خوشی چہرے پر نہ آنے دینے میں ناکام رہے اور ان کا چہرہ خوشی سے دمک گیا ـــــ

" تو کیا بیٹے آپ کا دِل بالکل ہی یہاں لگ گیا ـــــ محل کی یاد نہیں آتی ـــ؟"

جواب میں نواب سرفراز نے انہیں صرف غصّے سے گھُور کر دیکھا ـــــ

اِتنی محبت، اتنا التفاتِ پیہم، اتنی توجہ اس نے نواب سرفراز کو دے دی کہ وہ اسے اپنی ہی چیز سمجھنے لگے ـــــ ایسے میں اچانک ایک روز اس نے محفل سجائی ـــــ بڑے دِنوں بعد آج اس اہتمام سے محفل سجائی گئی تھی جو لوگ اس کے گانے اور رقص کے دلدادہ تھے۔

جب یہ دیکھتے تھے کہ آج کل اس نے مسند پر بیٹھنا چھوڑ دیا ہے تو وہ آنے سے کترانے لگے ایسی ویسی لڑکیاں تو کہیں بھی میسر آسکتی ہیں ــــــ آج اس نے خادموں کے ہاتھ رقعے لکھ لکھ کر اپنے پرانے قدر دانوں کو مدعو کیا ــــــ

آج ساری رات کا رَت جگا تھا۔ پڑا کمرہ بُقعۂ نور بنا ہوا تھا، یہاں سے وہاں تک ایک ایسی رنگینی چھائی ہوئی تھی کہ پلک جھپکانے تک کو جی نہ چاہتا ــــــ رات کے گیارہ بجے وہ طلوع ہوئی اور واقعی سورج کی طرح طلوع ہوئی ــــــ رات کی مناسبت سے تو چاند کی طرح طلوع ہونا تھا لیکن لباس؛ گہرے نارنجی رنگ کی بھرواں کام کی جھلملاتی ساڑی، اسی رنگ کا بلاؤز ــــــ گورے گورے بازوؤں پر بازوبند ــــــ سر سے لے کر پاؤں تک پور پور زیور ــــــ مہندی ــــــ چھلے ــــــ انگوٹھیاں ــــــ بچھوے ــــــ پاؤں زیب ــــــ کبوتر آنکھ کی پازیب ــــــ گلوبند ــــــ کرن پھول ــــــ جھمکے ــــــ جھومر اور ناک میں وہی قاتل نتھنی ــــــ آج دُلہنوں کا سا نور اُس پر برس رہا تھا ــــــ

اس کے آنے سے پہلے حاضرین کو مصروف اور مسرور رکھنے کی خاطر اینڈی بینڈی آوازوں سے کچھ لڑکیاں وزن سے گری ہوئی غزلیں اور بازاری قوالیاں گاتی بیٹھی تھیں جیسے ہی بڑے دروازے سے موتیوں کا پردہ ہٹا کر وہ داخل ہوئی ــــــ سارے ساز بے آواز ہو کر رہ گئے ــــــ ہر نگاہ اسی کی طرف اُٹھی ہوئی تھی ــــــ کسی نے معنی خیز جملہ کہا:

"آج تو توبہ کو توڑ دینے کو جی چاہتا ہے ــــــ"، نواب سرفراز نے یہ جملہ سُنا اور غصّے سے اُن کا خون کھول گیا ــــــ اُنہیں دُگنا غصّہ تو اُس وقت آیا جب خود اُس نے بھی یہ جملہ سُنا اور مُسکرانے لگی۔

"اس قاتل کی عمر کا پتہ ہی نہیں چلتا ــــــ عمر تو رواں ندی ہوتی ہے۔ یہاں اس ساحرہ کے پاس آ کر تو وہ بھی بہنا بھول گئی ــــــ یہ بول بھی اس نے ہنس کر خوشی خوشی سُنے اور وہ صرف مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے ــــــ پہلے ایسی محفلوں میں وہ حاضرینِ محفل کے باوجود ساری توجّہ انہی پر

دے رہتی تھی ـــــ بھلے کن انکھیوں سے دیکھتی لیکن یہ کبھی بھی ہزار ہیروں پر بھاری رہتی تھی لیکن آج تو جیسے اس کے حساب وہ اس محفل میں تھے ہی نہیں ۔

اور پھر جیسے ان کا پورا وجود دھڑ دھڑ شعلوں میں سلگنے لگا ۔

حاضرین میں کچھ بے چینی سی ہوئی ـــــ کسی بڑے نواب کی آمد آمد تھی ـــــ لوگ گردنیں اونچی کر کر کے مڑ مڑ کر دیکھنے لگے ـــــ پتہ چلا کہ لکھنؤ کے کوئی نواب، جو حیدرآباد کے نواب عظمت یار جنگ کے جگری دوست ہیں، تشریف لاتے ہیں ۔

انہیں دیکھتے ہی وہ بڑے تپاک سے اٹھی ـــــ اپنی عادت کے برخلاف جھک جھک کر آداب تسلیم، بندگی، کورنش، بیک وقت بجالائی اور نواب سرفراز کو اپنی سماعت پر شک ہونے لگا ـــــ جب وہ نفیس اور باوقار عورت نواب اچھن مرزا سے مخاطب ہوئی ـــــ

"اللہ نواب صاحب! کتے دناں ہو گئے یہ سورج غریب خانے پو نئیں چمکا!"

نواب اچھن خوش دلی سے ہنسنے لگے "مبارک ہو ـــــ مبارک ہو، غنچہ دہن، پری رُولیس، اسی ایک دکھنی زبان کا نشہ تو تمہارے پاس کھینچ کھینچ لاتا ہے، ورنہ کہاں حیدرآباد اور کہاں لکھنؤ ـــــ"

"اب حضور آپ باتاں نکو بناؤ ـــــ کیا میرے کو معلوم نئیں کی حضور کا دل اصل میں کس پو آیا وا ہے ـــــ"

"قسم ہے پنجتن پاک کی ـــــ جھوٹے کا مونہہ کالا، ہم تو صرف اسی صورت کے دیوانے ہیں ـــــ نہ ہوئی یہ صورت مجنوں کے زمانے میں ـــــ لیلیٰ بے چاری تو نیلا تھوتھا پھانک لیتی ـــــ"

*

نیلا تھوتھا کہیں سے میسر آجاتا تو سب سے پہلے اس وقت نواب سرفراز پھانک

لیتے کہ ایسی بے ہودہ باتوں کو سُن کر نہ صرف یہ کہ وہ خوش ہو رہی ہے بلکہ مزے لے لے کر مُسکرا مُسکرا کر اسی زبان میں باتیں کئے جا رہی ہے کہ جس زبان میں وہ ایسی باتیں کرتے تھے تو ٹوک ٹوک دیا کرتی تھی ——— مارے جلن، حسد اور رقابت کے انہیں محفل میں بیٹھنا دشوار ہو گیا ——— اگر ان کی محبت میں کھوٹ ہوتا تو وہ کبھی اُن کے نام پر جوتا مار کر اُسی وقت وہاں سے نکل کر اپنے محل کو چلے جاتے ——— لیکن یہ ایک مَرد کی پہلی محبت تھی اور مَرد اپنی پہلی محبت میں آدم کی طرح سچا ہوتا ہے جنہوں نے دُنیا میں خود کو تنہا پایا اور کسی ساتھی کی کھوج کی اور خدا نے انہیں انعام میں عورت دی ——— پہلی عورت، پہلی محبت! مشہور ہے کہ مَرد بھونرے کی طرح ہرجائی ہوتا ہے ——— ہوتا ہوگا، لیکن بار بار محبت کرنے والا یہ ہرجائی پہلی محبت کے زخم کو ہمیشہ ہرا رکھتا ہے ——— کھرچ کھرچ کے پھر اُسے ہرا کر لیتا ہے ——— اس زخم کو ہرا رکھ کے اسے جو کسک ملتی ہے، وہی اس پہلی محبت کی جان ہوتی ہے ——— وہ اپنی پہلی محبت کی اس کسک کو دل میں دبائے ساری رات انگاروں پر لوٹتے رہے ———

آج وہ پتہ نہیں کس نشے میں تھی، بے حال ہوئی جا رہی تھی ——— آوازیں ان کے کانوں میں گرم گرم لاوے کی طرح ٹپک رہی تھیں ———

"آج ہر ساز کو چھوٹ ہے ——— آج بے ترتیبی سا ناچ ہے ——— ہرا ندا نہ رہا ہے ——— سازندو آج تال کہروا خوب بجاؤ، اتنا کہ سامعین و حاضرین مست و بے خود ہو جائیں ——— اس کے بعد طبلے، ڈھولک، دَف، تاشے اور ساتھ میں سارنگی اور ہارمونیم کو تھکاؤ ——— میں ناچوں گی ——— آج گھنگرو نہ ٹوٹے تو کیا ناچ ہوا ———"

وہ سُنتے رہے، خون پیتے رہے ——— محفل شباب پہ آتی گئی ——— چاند ادھر سے اُدھر سرکتا رہا ——— ان کی آنکھیں خوں رنگ ہو گئیں ——— نیند کی جسارت نہ ہوئی کہ ایسی تپتی سنگلاخ زمین پر قدم رکھے ———

یوں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو ـــــ وہ دھیرے سے آئی لیکن اس کی پازیب کی چھم چھم نے بتا دیا کہ وہ آ رہی ہے، وہ آ رہی ہے ۔

بڑی متانت سے اُس نے پوچھا "محفل سے اُٹھ کر کیوں چلے آئے تھے ؟"

بڑا بوجھل سناٹا تھا ـــــ وہ یونہی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجہ بنائے لیٹے رہے ۔ سانس کی دھونکنی لوہار کی دھونکنی بنی ہوئی تھی ۔

"وہ اصل میں میرے بڑے پرانے گاہک ہیں ،" اس نے لفظ گاہک پر خاصا زور دیا ـــــ "اور وہ دکنی بولی سن کر بڑے خوش ہوتے ہیں ـــــ مجھے تعلیم ہی ایسی دی گئی تھی کہ نواب اگر حیدرآباد کے ہوں تو دلی اور لکھنؤ کی اردو میں بات کروں اور باہر کے ہوں تو پرچانے کے لئے دکنی اردو میں ـــــ میرے موہنہ سے اچھی لگتی ہے نا ؟"

وہاں ایک خاموشی ہی تھی سب کے جواب میں ـــــ وہ یونہی سناٹے ہوتے پڑے رہے ۔

"بھئی میں تو طوائف ہوں ـــــ میں کسی ایک کی بنوں کیسے ؟ مجھے تو سبھی کو خوش رکھنا پڑتا ہے ـــــ ویسے نواب اچھن برُے آدمی تو نہیں ہیں ـــــ"

ایک دم چیتے کی سی تیزی سے وہ اپنے بلند و بالا جسم کو لئے بستر سے کودے ـــــ عین مین اس کی آنکھوں کے سامنے آکر وہ اپنے پورے اونچے قد کے ساتھ کھڑے ہو گئے

"بتاؤ مجھ میں کیا نہیں ہے ـــــ اُس کتل تھلے بڈھے کو دیکھو جس کی توند اسے چلنے نہیں دیتی اور مجھے دیکھو ـــــ اُس زنخے کو دیکھو اور مجھے دیکھو ـــــ اُس من من کرتی آواز کو سنو اور میری آواز سنو ـــــ اگر تم محض دولت کی غلام نہیں ہو تو بتاؤ اُس بڈھے کا اور مجھ جیسے جوان مرد کا کیا مقابلہ ہے، ہم نے تو سدا لڑکیوں کے موہنہ سے یہی سنا ہے کہ عورت دولت نہیں مانگتی، تخت نہیں مانگتی، صرف مضبوط کساوا مانگتی ہے جو اس کی ہڈیوں تک کو چُر مُرا دے ـــــ پھر تم جیسی جوان لڑکی اس بڈھے پر کیسے ریجھی ـــــ ہو نہ ہو اس

کی تہہ میں دولت کارفرما ہے۔

"جی نہیں، آپ غلط سمجھے ــــ کوئی بھی عورت اور خاص طور پر مجھ جیسی عورت معاشرے میں، رہنے کا جینے کا تحفظ چاہتی ہے جو بنا شادی کے ممکن نہیں اور نواب اچھن مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں ــــ"

وہ ایک ایک لفظ چباتے ہوئے آگے بڑھے۔

"نواب اچھن تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں ــــ وہ غلیظ گندا تھل تھلا بڈھا، جسے ایک لات ماروں تو سیدھا گندی بیٹھ میں جا کر گرے ــــ وہ تمہارا یہ خوب صورت صندل والا حنائی ہاتھ تھامے اور میں اُلو کا پٹھا ہوں جو دیکھتا رہوں گا ــــ" انہوں نے تیزی سے اس کا نازک، انگوٹھیوں سے جگمگاتا ہوا ہاتھ اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا "یہ ہاتھ میرا ہے ــــ میں اِسے ... ..."

"نہیں نہیں ــــ" وہ چیخی: "مجھے مت چھوئیے ــــ مجھے ہاتھ نہ لگائیے۔ یہ گناہ ہے، گناہِ کبیرہ ہے ــــ" وہ سانسوں سانس ہو گئی ــــ نواب سرفراز نے گھبرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ــــ وہ آگے بڑھ کر مسہری پر بے دم سی ہو کر گر گئی ــــ وہ نادم نادم سے اُسے دیکھتے رہے ــــ دیکھتے رہے۔ بڑی دیر بعد وہ آہستگی سے بولے:

"معاف کیجئے گا ــــ آج جذبات کی رو میں، میں حفظ و مراتب بھی بھول بیٹھا آپ کو تم کہہ گیا ــــ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں اور آپ کو میں پسند نہیں ہوں تو صاف کہہ دیجئے، مجھے بُرا نہیں لگے گا ــــ لیکن اگر ذرا بھی کوئی بات میری پسند ہے تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے شادی کرنا پسند کریں گی؟"

ماہ و سال کے جانے کتنے لمحے اپنے دامن میں آنسو لئے آتے اور برس برس کر جل تھل ایک کر گئے ــــ اب نہ برسو ــــ اب نہ برسو خدا کے لئے ــــ اب میرا حوصلہ جواب دے گیا ہے ــــ اس نے اپنے دھڑکتے پھڑکتے دل کو قابو میں کیا اور پاتال

سے بولی۔

"آپ میں ناپسند کرنے والی کوئی بات ہے ہی نہیں، لیکن آپ کے بزرگ لوگ . . . . . ."

وہ تیزی سے بولے: "اٹھارہ برس کے مرد پر زبردستی کبھی تو نہیں کی جاسکتی لیکن مجھے اُمید ہے کہ کوئی میرے آڑے نہیں آئے گا ــــ"

"مائیں بڑی نرم دل ہوتی ہیں ــــ" وہ اندر سے کرچی کرچی ہوتی ہوئی بولی "تہہ در تہہ محبت ہی محبت ــــ لاکھ مونہہ سے برُے برُے بول بول لیں، اولاد کی کوئی بات نہیں ٹالتیں، لیکن باپ مرد ہوتے ہیں، سخت دل، اُڑ جانے والے ــــ اگر آپ کے بابا حضور نہ مانے تو ــــ؟"

وہ خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے بولے: "یہ میری ذمّے داری ہے. آپ راضی ہیں، مجھے دُنیا مِل گئی ــــ"

"طوائف سے شادی کرنا بہت مشکل ہے ــــ آپ نہیں سمجھیں گے ــــ آپ ابھی نو عُمر ہیں ــــ آپ نے زمانے کو نہیں پرکھا ــــ لوگ آپ پر اُنگلیاں اُٹھائیں گے ــــ طرح طرح کی باتیں ہوں گی ــــ آپ یہ سب برداشت نہیں کر پائیں گے۔

"شاید دُنیا میں مجھ سے پہلے بھی کسی نے یہ جملہ دہرایا ہو لیکن میں تو اسے اپنے ہی دل کی آواز کہوں گا اور وہ آواز یہ ہے کہ اگر آپ مجھے نہ ملیں تو میں خود کو ختم . . . ."

ایک دم اس نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ بڑھایا کہ ان کے ہونٹوں پر رکھ دے، لیکن خود ہی پیچھے ہٹا لیا ــــ

"اے خُدا گواہ رہیو ــــ میں امانت میں خیانت کی مُرتکب نہیں ہوئی" اسے خاموش اور سہما ہوا پا کر وہ کچھ اُداس ہو گئے ــــ

"آپ یقین کریں میں آپ کو وہی عزت دوں گا جو محل میں امی حضور کو ملتی

رہی ہے ——"

"مستحق تو میں اسی عزت کی تھی ——" وہ زیرِ لب بولی جسے وہ سُن نہ پائے۔
اپنے چہرے سے پھوٹی پڑتی خوشی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولے
"میں اٹھارہ سال کا ہوں لیکن دگنی عمر کا لگتا ہوں اور شادی بیاہ میں میرے خیال سے قدو
قامت ہی کو دیکھنا چاہیئے ——" وہ اپنی ہنسی کو نہ روک سکے —— "آپ تو میرے مقابل
بچی لگتی ہیں بچی —— چاہوں تو ایک اُنگلی پر اُٹھا لوں آپ کو ——" وہ شرارت سے
جھکے، لیکن وہ دُور ہٹ گئی ——

"میں طوائف ضرور رہی لیکن صرف ناچنے گانے والی —— یہ دیکھئے نتھنی آج
تک پڑی ہوئی ہے —— آپ کو شاید یہ بات معلوم نہیں کہ کسی بھی طوائف کی ناک
میں جب تک نتھنی ہے سمجھو وہ بیکار مال نہیں بنی —— شادی تک صبر کر لیجئے نا ——
کیوں میری عاقبت خراب کرتے ہیں ——"

وہ شرارت پر تُلے ہوتے تھے: "تو پھر بھی شادی آج ہی کر لیجئے نا؟"

"آج تو خیر نہیں، لیکن اگلی جمعرات کے بارے میں کیا خیال ہے ——؟" وہ
سنجیدگی سے بولی۔

"جو آپ کی مرضی ——"

"میری چند شرائط ہوں گی ——"

"سر آنکھوں پر" وہ ہنسے: "کوئی خاص زیور یا کپڑے لتے کی ——؟"

"نہیں —— ایک تو یہ کہ جب آرسی مصحف ہوتا ہے اور دُلہن کا چہرہ لوگوں کو
بتایا جاتا ہے، ویسے میرا چہرہ کسی کو نہیں بتایا جائے گا۔ دوسری یہ کہ رواج کے
مطابق تو دولہا کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے لیکن آپ مجھے ایک چھوٹا سا خنجر لا کر دیں گے"

"منظور ہے سرکار ——" وہ ہنسے "ویسے آپ خنجر کے بغیر بھی یہاں سے نہال

تک قتلِ عام برپا کر سکتی ہیں ـــــ" وہ کہے گئی۔

"شادی سے پہلے کی رتیں، رسمیں، مانجھہ، ساچق، مہندی چالے ـــــ کچھ بھی نہیں ہوگا ـــــ شادی کے دن سُرخ کی بجائے میں سبز جوڑا پہنوں گی ـــــ"

"یہ بات ذرا مشکل ہوگی حضور ـــــ میں اپنے بابا اور امّی کا اکلوتا بیٹا ہوں ـــــ وہ اپنے ارمان پھر اور کس طرح نکالیں گے ـــــ سوچنے کی بات ہے ـــــ رتیں بھی نہیں سُرخ جوڑا بھی نہیں ـــــ"

"آپ نہیں سمجھیں گے ـــــ" وہ اُداسی سے بولی: "یہ بات کوئی راز تو رہے گی نہیں کہ آپ ایک طوائف کو بیاہنے جا رہے ہیں ـــــ جتنی نگاہیں میرے چہرے پر پڑیں گی اتنے ہی تیر کلیجے کو چھیدیں گے ـــــ آپ مجھ پر یہ ظلم روا رکھیں گے؟"

"چلئے جناب یہ بھی منظور ـــــ اب فرمایئے ـــــ"

"ہر ارمان کنواری دلہن کی طرح میرے بھی دل میں ارمانوں کی ایک ہری بھری فصل لہلہاتی رہی ہے ـــــ لیکن میں کس کس ارمان کو گنواؤں گی ـــــ بس ایک شرط اور ہے لیکن وہ عقد خوانی کے بعد، اپنی سسرال پہنچ کر بتاؤں گی ـــــ"

"ہم وہ بھی مان لیں گے سرکار ـــــ اور کچھ ـــــ؟"

"اور یہ ... وہ اپنے ڈوبتے دل کو تھام کر بولی" اور یہ دعا کہ خدا آپ کو میرا غم برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرماتے ـــــ"

اکلوتے جوان بیٹے کی ضد کے آگے باپ کی کچھ نہ چلی ـــــ طوائف سے

شادی!! نہ خاندان میں کبھی نے سُنی نہ دیکھی اور یہ نامُراد، نالائق خود کرنے چلا ہے۔ بیچ میں ماں کو ڈالا ہے کم بخت نے کہ بابا حضور نے اگر منع کیا تو زہر کھا کے لوں گا ـــــ زہر کی پڑیا ماں کو لا کر بتا بھی چکا ہے ـــــ نواب شوکت کے محل سے برات نکل کر چھپی براتی

کے رذیل اور ذلیل محلے میں جائے گی ــــ ہونہہ ــــ اور یہ بھی صاحبزادے کا اصرار ہے کہ "وہ" بُرا نہ مانے، اس کا دِل نہ دُکھے کہ جس عزت کی وہ مستحق تھی وہ نہ ملی ــــ شادی اسی شان و شوکت سے ہو جیسے کسی شریف زادی سے ہوتی اور سارے نواب، امیر، اُمرا، اور رؤسا بھی برات میں چلیں اور عقد خوانی میں شرکت کریں۔

کیا کیا خواری اس اولاد کے ہاتھوں دیکھنی لکھی ہے، اُوپر والا ہی جانے۔

ایک سے ایک خیالات نواب شوکت کے ذہن کو کچوکے دیتے ــــ مال کی مرضی تو باپ کی مرضی میں پوشیدہ تھی ــــ وہی اگر راضی نہ تھے تو پھر نیل مچا کر کیا کرلیتیں ــــ کلیجے میں ساری کھٹک تو یہ پڑی ہوئی تھی کہ جوان اور اکلوتا لڑکا ہاتھ سے نہ نکل جائے ــــ بھلے سے رنڈی ہو، پاتر ہو، ناچن ہو، اتائن ہو، شادی ہو جائے ــــ کون سا نبھا کردیں گے ــــ چار دن کھلونے کی طرح کھیلیں گے پھر تو اکھلڈرے پر پھینکنے ہی والے ــــ تو کیوں بچے کا جی خراب کیا جائے ــــ لوگ غلط کہتے ہیں کہ پیری انسان کو جھکا دیتی ہے ــــ نہیں اولاد جھکاتی ہے ــــ!

ہفتہ بھر ہی تو شادی میں باقی رہ گیا تھا ــــ

پیسہ ندی کی طرح بہتا ہو تو آٹھ دن تو کیا آٹھ گھنٹے بھی جوڑ جاڑ کے لئے بہت ہیں ــــ شوکت محل میں لہر بہر ہو گئی ــــ

نواب سرفراز خود بھی خوشی سے بے حال ہو تہہ ہی مونہہ میں گنگنا گنگنا کر شادی کے انتظامات میں مصروف رہتے۔ ایک دن بڑی ترنگ میں آ کر گنگنا رہے تھے :

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

کہ نواب شوکت نے سن لیا ــــ اُن کا دِل دہل اُٹھا ــــ بیٹے کو پاس بُلا کر دھڑکتے دِل سے پوچھا :

"بیٹے یہ کیا گا رہے ہیں آپ ـــــ" ایک بھولی بسری یاد نے ان کے چہرے کا رنگ اڑا دیا تھا ـــــ

"جی بابا حضور، محل میں دائی ماں کبھی کبھار یہ بول گنگناتی ہے، ہمیں اچھے لگتے تھے، زبان پر چڑھ گئے ـــــ آپ کو پسند نہیں ـــــ؟"

ان کے پھڑکتے کپکپاتے دل کو قرار سا مل گیا۔

"نہیں بیٹے، پسند نا پسند کی بات نہیں ـــــ ہم سوچ رہے ہیں نہ جانے کہاں سے آپ یہ منحوس شعر یاد کر لئے ـــــ خوشی کے موقع پر ایسے غمگین اشعار نہیں پڑھنا چاہئے ـــــ جائیے اپنا کام کیجئے ـــــ"

شادی سے پہلے آخری بار اس نے محفل سجائی ـــــ نواب سرفراز محل واپس آگئے تھے کہ شادی کا انتظام کرنا تھا ـــــ لیکن روز ایک دو پھیرے لگا لیتے تھے ـــــ اُن کی تڑپ میں روز بروز اضافہ ہی تھا۔ اُس دن وہ گئے تو وہ بولی:

"اب کہاں میں اور کہاں یہ محفلیں ـــــ کون جانے قسمت کی آندھی کہاں اُڑا لے جائے ـــــ آپ کی اجازت ہو تو آخری بار ایک محفل سجالوں ـــــ"

وہ اس کی اُداسی سے متاثر ہو کر بولے: "کمال کرتی ہیں آپ بھی ـــــ شادی کے بعد بھی آپ کے شوق پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی، اس کا آپ پورا اطمینان رکھیں ـــــ" وہ ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی یہ محبت اور معصومیت ہی میری جان لے لے گی ـــــ" اس کے چہرے کا حزن و ملال دیکھ کر وہ بھی اُداس سے ہو گئے ـــــ رات آئی ـــــ محفل سجی ـــــ اُس نے ہارمونیم سنبھالا اور ایک دردناک طرز شروع کی ؎

شبِ فرقت کے جاگنے والے ؎ ایسے سوئے کہ پھر سحر نہ ہوئی

ایک بار ——

دو بار ——

تین بار ——

بار بار یہی شعر وہ پڑھتی رہی اور سننے والے سر دھنتے رہے —— آخر وہ چونکی اور حاضرین سے معذرت خواہ ہوئی "پتہ نہیں اس شعر نے کیوں باندھ سا لیا تھا۔ بہرحال میں ایک غزل پیش کرتی ہوں ؎

قسمت اِدھر خلاف، دلِ بے قرار بھی
ہم سے پھری ہوئی ہے اُدھر چشمِ یار بھی

سیاہ لباس میں اس کا چہرہ غم واندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا :

تنہا مرے، مزار پہ دم بھر نہ جل سکی
مایوس ہو کے بجھ گئی شمعِ مزار بھی

کتنی ہی دیر یونہی ساز بجتا رہا —— پھر اس کی درد بھری آواز ابھری ؎

لے جائے اُن کے در پہ اُڑا کر صبا کبھی
اس آرزو میں تھا مرا مُشتِ غبار بھی

وہی تکرار ——

اس آرزو میں تھا مرا مُشتِ غبار بھی
رو رو کے سینچتی رہی سبزے کو قبر پر
کچھ میرے کام آ گئی شمعِ مزار بھی

اس نے تھک کر اپنا سر ہارمونیم پر ٹکا دیا —— ماحول میں صرف آواز کی گونج باقی رہ گئی —— سننے والے سر دھنتے رہے اور وہ اسی طرح سر ٹکائے اپنے آپ کو ڈھونڈتی رہی ——

مقررہ دن اور تاریخ پر ایک شان دار برات شوکت محل کے وسیع و عریض پھاٹک سے نکلی ـــــ اتنی لمبی برات کو نکلتے نکلتے بھی سب سواریوں کو گھنٹہ بھر تو لگ ہی گیا۔

جس کروفر کی برات تھی، پڑھاوا بھی ویسا ہی دھوم دھام کا تھا ـــــ کیوں نہ ہوتا، آخر نواب شوکت یار جنگ کے اکلوتے بیٹے کی دلہن کا پڑھاوا تھا ـــــ جس جس سڑک سے بھی برات گزرتی حیدرآباد کے امراء کی شان اور روایت کے مطابق سارا جھم جھم کرتا چڑھاوا، مزدوروں کے سروں پر لدا ہوا ساتھ ساتھ چلتا ـــــ دیکھنے والوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ـــــ کتنے ہی بے دعوتی برات کے ساتھ لگ گئے اور برات جب پچھی بُرّاق پہنچی ہے تو تین گنا زیادہ لوگ ہو گئے ـــــ

بغیر کسی چاؤں میاؤں، شور شرابے یا بدنامی کے خیریت کے ساتھ نکاح خوانی ہو گئی ـــــ دولہا میاں گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے۔ لیکن واپسی میں دلہن کو ساتھ بٹھانا تھا، اس لئے سجی سجائی بگھی میں لوٹے ـــــ ساری ہلڑ بازیوں، ریتوں، رسموں سے فارغ ہو کر دولہا دلہن اپنے کمرے میں پہنچا دیئے گئے تو محبت والے دولہا کو چہیتی دلہن کی آخری شرط یاد تھی ـــــ گھونگھٹ اٹھا کر پیار سے بولے ـــــ

"آپ نے کہا تھا نا ـــــ آخری شرط، سسرال پہنچ کر کہوں گی ـــــ"

"جی ہاں مجھے یاد ہے ـــــ" وہ اداس لہجے میں بولی: "آپ کا بے حد شکریہ! کہ میری بات کی لاج رکھی ـــــ وہ شرط ایسی کوئی خاص نہیں ـــــ بس یہ ہے کہ میں آپ کے بابا حضور کو سلام کرنا چاہتی ہوں ـــــ لیکن کوئی اور اس کمرے میں نہ رہے ـــــ"

وہ اس کا بے پناہ خوب صورت چہرہ دیکھ کر شرارت سے بولے: "بڑے میاں کی خیر نہیں آج ـــــ خدا رحم کرے ـــــ" پھر ہنس کر باہر جاتے جاتے بولے "ٹھیریئے میں ذرا انتظام کر کے آتا ہوں ـــــ اس وقت تو بابا حضور کے کمرے میں

ہجوم لگا ہوگا ـــــ نواب سرفراز جلد ہی واپس آئے ، اُسے اشارا کیا ـــــ آگے آگے نواب سرفراز پیچھے پیچھے وہ ـــــ کمرے کے دروازے پر رُک کر پلٹ کر اس نے نواب سرفراز کو دیکھا جو ساری دُنیا کا پیار دو آنکھوں میں لئے ، اُسے اشاروں اشاروں میں جلدی واپس آنے کی تاکید کر رہے تھے ـــــ

اُس کا دِل پھوٹ بہا ، مگر وہ اپنے آپ کو سنبھال لے گئی ـــــ باہر سے میراثنیں کلیجہ کاٹنے والے بابل اور وِدا عیاں گا رہی تھیں ـــــ

دو پاٹن کے بیچ میں کچل گئی ہستی میری آج
ایک گلی وہ ، ایک گلی یہ ، کاسے کہوں ری بات
پاس چلی ہوں پی کے اپنے مِل لو ساری آج
بے ری سکھیو پھر نہ کہنا بھول گئی تھی بات
پاس چلی ہوں پی کے اپنے ....

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی کمرے میں داخل ہوئی ـــــ اپنے پیچھے اس نے دروازہ بند کر دیا ـــــ نواب شوکت نے ذرا حیرت سے اُس کی اس حرکت کو دیکھا ، بہرحال وہ وہیں شان دار صوفے پر بیٹھے اسے دھیرے دھیرے آگے بڑھتا دیکھتے رہے ۔

قریب آ کر اس نے گھونگھٹ اٹھا دیا ـــــ

نواب شوکت تڑپ کر اُچھلے ـــــ

" حیا ـــــ تم ـــــ "

" ہاں میں ـــــ نواب شوکت یار جنگ ـــــ آپ تو بے گناہ ہیں ـــــ معصوم ہیں ـــــ گنہ گار اور مجرم تو میں ہوں ـــــ اور اسی لئے اپنی فردِ جرم میں خود ہی آپ کو سناؤں گی ـــــ یہ ضرور ہے کہ جو کچھ کہوں گی سچ کہوں گی لیکن سچ کے سوا کچھ تلخ بھی کہوں گی ـــــ حوصلہ ہے سُننے کا ـــــ ؟ نواب شوکت تم نے آج سے اُنیس سال پہلے میرا

خون کر دیا تھا ــــ مجھے قتل کر دیا تھا ــــ تم تو پڑھے لکھے گھرانے کے چشم و چراغ ہو
قرآن شریف تم نے کبھی یا ترجمہ پڑھا ہوگا ــــ اللہ ہی کا بنایا ہوا قانون ہے ــ
قصاص ــــ خون کا بدلہ خون ــــ نواب شوکت دنیا کی نظروں میں تو میں زندہ رہی
لیکن خدارا مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھے کہاں قتل نہیں کیا ــــ میری ہر آرزو، میرے ہر
ارمان، میری ہر ہر امید کو تم نے قتل کیا ــــ نہ "خوں بہا" دیا نہ میرا کوئی تھا، جو
"قصاص" کے قانون کا تم پر اطلاق کرتا ــــ میں تو قتل ہو ہی چکی تھی ــــ میری
ننھی سی بچی بھی زندہ نہ رہی ــــ ڈیڑھ سال کی ہو کر ہی چل بسی ــــ تمہاری یاد۔
تمہاری نشانی، جسے شاید تم اپنا مان کر بھی نہ دیتے ــــ جو میری زندگی کی سب
سے خوب صورت حکایت تھی وہ بھی مجھے چھوڑ کر چل بسی تو سوچو میرے لئے دنیا میں
کیا رہ گیا ہوگا جب کہ ماں کو میں خود ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی کہ مجھ سے پیشہ نہ کروانا شروع
کر دے۔ جبکہ میں یہ عہد کر چکی تھی کہ اب اس جسم کا ہر ہر رُواں تمہاری امانت ہے۔
لیکن تم تو ایسے سودا گر نکلے کہ پھر اس امانت کو لینے کبھی نہ لوٹے، لیکن خدا کی خدائی
میں جو بھی شئے موجود ہے، ہر اس شئے کی قسم کھا سکتی ہوں کہ پھر اس دلِ تباہ سے کسی اور
کا خیال تک نہ گزرا ــــ لمس تو بہت دور کی بات ہے ــــ میری ماں نے جس طرح
بلک بلک کر میرے فراق میں دم توڑا ہے نواب شوکت، اگر تم وہ تڑپ دیکھ لیتے تو ہر
کراہ پہ ایک ایک حج کا ثواب پاتے ــــ میری ماں گنہ گار تھی شاید اسی لئے خدا نے
اُسے جنت بخش دی ہو ــــ لیکن مجھے میرا گناہ تو بتاؤ ــــ کیسے سونے کے قلم سے
نصیب لکھا کر لائی تھی میں بھی ــــ! تم نے جو ماہ و سال اپنی دلہن کی آغوش میں گزارے
ہوں گے، اپنے کلکاریاں مارتے بچوں کے ساتھ ہنستے بولتے گزارے ہوں گے نواب
شوکت ــــ مت پوچھو، مت زخموں کے ٹانکے ادھیڑو ــــ تم اٹھارہ سالوں کی
بات کرتے ہو ــــ میں تو ایک رات کا بھی حساب نہیں دے سکتی ــــ ایک ایک کروٹ!

ایک ایک کروٹ، سو سو نشتر پہلو میں توڑ دیتی تھی ــــــ سوچتی تھی کہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو گے ــــــ؟ کس طرح مُسکرا رہے ہو گے ــــــ کس طرح سو رہے ہو گے ــــــ جب کہ میری بے خواب آنکھیں لہُو رو رہی تھیں ــــــ تم مجھے لُوٹ کر چلے گئے ــــــ تم نے کہا تھا تم مجھے سہارا دو گے ــــــ عورت کو ڈھانک کر رکھا جاتا ہے نا ــــــ تم نے مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن تم میری عزت کی سیپ سے آبدار موتی لے کر چلے جانے کے بعد تم نے سوچا ہو گا، اب اس میں کیا رہا ــــــ شادی کا وعدہ وعدہ ہی رہا ــــــ تمہارے وہ جملے میں کبھی نہ بھول پائی "یہ ہمارے خاندان میں کبھی نہیں ہُوا کہ کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو ــــــ آخر نام ونمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ــــــ اور تمہارے چہرے پر لکھی ہوئی وہ نفرت جو میرے لئے تھی!! میں جو تمہیں دُنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، یہ زہر میری نس نس میں اُترتا رہا ــــــ پھر تمہارے جشنِ شادی میں بے حال ہو ہو کر ناچتی رہی کہ جسے دُنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، اس کی خوشی کا جشن تھا ــــــ!! پھر زندگی میں ایک ہی دُعا یاد رہ گئی کہ خُدا تمہیں بیٹا دے ــــــ میرے لئے!

پھر پتہ چلا کہ تمہارے گھر ولی عہد پیدا ہُوا ہے اور خُدا کے انصاف کو مان گئی کہ یہ انعام بس میرے ہی لئے اُتارا گیا ہے ــــــ اور ــــــ اُس دِن میں نے عہد کیا کہ میں اپنے بے گُنہ خُون کا بدلہ خُون ہی سے لوں گی ــــــ قصاص! صاف سیدھی سی بات ہے ــــــ تم نے میرے ارمانوں کا خون کیا ــــــ میں نے تمہارے ارمانوں کا ــــــ ایک باپ کی سب سے بڑی تمنّا، سب سے بڑا ارمان اس کی اولادِ نرینہ ہوتی ہے ــــــ پانچ بیٹیوں میں اکلوتا بیٹا ــــــ وہ تمہیں کتنا پیارا نہ ہو گا۔ اس کا مجھے احساس تھا ــــــ میں تمہارے شب و روز سے بے خبر نہ رہی ــــــ میں نے دِل ہی دِل میں قصاص کا فیصلہ کیا اور اپنے آپ کو اس مرحلے کے لئے تیار کرتی رہی

—— کہ تُم سے تمہارا بیٹا چھینوں گی —— یہ بڑا ہی مُشکل اور صبر آزما مسئلہ تھا —— لیکن
میَں انتقام کی آگ میں جُھلس رہی تھی، سب کچھ کر گزرنے پر تیار تھی —— کیوں کہ تُم نے
مجھے طوائف ہونے کی وجہ ٹھکرایا تھا اور یہ ذلّت میَں کبھی نہ بھُول سکی —— میَں نے اپنے
حسُن اور جوانی کو محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا —— جانے کتنی زعفران اور دودھ میرے
جسم میں حل ہو گیا —— صندل اور چنبیلی کی مالش نے مجھے سَدا جوان رکھا —— ہم
طوائفوں میں جسم ڈھل جانا بہت بُرا سمجھا جاتا ہے —— موٹا ہونا تو آمدنی بند ہونے
کا پہلا قدم ہے —— کہتے ہیں جاکفل کے درخت کے نیچے بیٹھنے سے موٹاپا نہیں
آتا اور نواب شوکت تُم نے تو مجھے ایسے شجر کے سائے تلے بٹھا دیا تھا جس نے کبھی ٹھنڈی
ہوا کا جھونکا تک مجھے نہ دیا —— ببول کی طرح کانٹے دار اور بے آب و گیاہ ——
سَدا بہار غموں کا شجر —— میَں کہاں موٹی ہوتی —— ؟ بالوں نے البتّہ تھوڑی سی
بے وفائی کی، لیکن میَں نے مہندی سے رنگ رنگ کے انہیں شہد رنگ کیا ہے۔
تاکہ میری جوانی کے ضامن بنے رہیں —— یہ اٹھارہ سال بڑے ہی بُزدل اور ڈرپوک نکلے
—— دیکھو نا میرے قریب پھٹکنے تک کی انہوں نے ہمّت نہ کی —— ورنہ یہ کیسے ممکن
تھا کہ تمہارا —— میری عُمر سے آدھا کم عمر بیٹا مجھ پر فدا ہو جاتا —— ؟ یہ کرب میَں نے
کیسے سہا ہے یہ نہ پوچھو —— پھر کبھی زندگی میں انگور کے خوشے دیکھنے کی ہمّت نہ ہوئی کہ
لگتا ہے کہ میرے دِل میں بھی آبلوں کے ایسے ہی گُچھے لٹک رہے ہوں گے —— تم نے
تو مجھے کچھ بھی نہ دیا —— میَں نے تمہیں وصال کی وہ مقدّس رات، سہاگ رات تحفے
میں دے دی جو میرا سب سے قیمتی سرمایہ تھی —— تُم تو جوا یا وہ قرض بھی نہ اتار سکے
—— اتنے بڑے نواب! اتنی بڑی جائداد اور دِل اتنا چھوٹا —— محبّت کرنے والے تو
اپنا آپ لُٹا دیتے ہیں —— لیکن تم نے مجھ سے محبّت کی ہی کب —— میری
مُحبّت کی چھوٹی سی مثال اور سُن لو —— تم نے جب مجھے آخری ملاقات میں اشرفیوں سے

بھری تھیلی دی تھی تو یاد ہے میں نے وہ قبول کرلی تھی ـــــ میرا جذبۂ وفا دیکھو ـــــ میں نے سوچا تھا کہ اگر آج میں یہ اشرفیاں قبول کرلوں تو تم یقیناً یہ سوچ کر مطمئن ہو جاؤ گے۔ کہ ہوں زنڈی تھی نا ـــــ پیسے سے بہل گئی ـــــ محبت ہوتی تو دولت کو ٹھکرا کر جاتی ـــــ عزت کا خیال ہوتا تو تھیلی میرے مونہہ پر پھینک مارتی ـــــ میں نے سوچا اپنے محبوب کو اتنا سا تلق بھی کیوں دوں ـــــ؟ اور مجھے یقین ہے کہ تم اس کے بعد بالکل ہی مطمئن اور میری طرف سے غافل ہو گئے ہو گے۔ لیکن میں بتاؤں ـــــ وہ ساری اشرفیاں تو میں نے اسی وقت اپنے ہاتھوں سے یتیم خانوں میں بانٹ دی تھیں ـــــ البتہ آخری ملاقات کی صرف وہ نفرت سمیٹ کر دل میں محفوظ کرلی تھی جو محفوظ نہ کرتی تو کبھی انتقام نہ لے پاتی ـــــ عورت کی فطرت خدا بھی شاید ہی سمجھا ہو ـــــ ایک طرف تو تمہارے لئے دل میں پیار، ایثار اور وفا کا یہ جذبہ اور دوسری طرف تم سے انتقام لینے کی پوری تیاریاں ـــــ ایک موڑ پر زندگی میں بابا ذاکر خاں مل گئے ـــــ شرافت اور انسانیت کے مجسمے۔ وہ تمہارے اتنے دوست نہیں ہیں جتنے میرے خیر خواہ ـــــ لیکن میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم میری آتی جاتی سانس ہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے ـــــ راستے میں پٹاخہ چھُڑوا کر، گھوڑوں کو بھڑکانے، اور تمہیں بچا کر میری توجہ اور حمایت حاصل کر لینا ـــــ یہ سب انہی کی صلاح تھی ـــــ تمہارے محل میں پہنچ کر مقصد صرف یہ تھا کہ تمہارے بیٹے کو میرے بدنام گھرانے تک لایا جاتے ـــــ یہ اتفاق تھا کہ تمہارا بیٹا عورتوں میں پل کر نسوانی طرزِ زندگی اختیار کر بیٹھا، یہ نہ بھی ہوتا تو بھی بابا نے پوری ذمہ داری لی تھی کہ وہ تمہارے بیٹے کو گمراہ کر کے میری راہ ہموار کریں گے، اور پھر تمہیں پتہ ہے کہ وہ کس طرح میرا دیوانہ بنا ـــــ لیکن میں نے اپنی شخصیت کے گرد اسے رعبِ حسن کہہ لو یا اندازِ دلربائی ـــــ ایسا حصار کھینچے رکھا کہ وہ کبھی اس سے آگے نہ بڑھ سکا ـــــ اور میں بڑھنے دیتی بھی کیسے؟ میں تو تمہیں زیر کرنا چاہتی تھی ـــــ

بس! . . . . . . اور آج ساری دُنیا کے سامنے تمہاری ناک میں نے نیچی کر دی ——— طوائف بہو ——— !!

آج میں نے بدلے چکا لئے ——— بُوند بھر زندگی باقی رہی ہے اب کتنا سنبھال سکوں گی ——— جب ہم چھوٹے تھے، اماں محلے کے بچوں کے ساتھ عیدگاہ بھجوایا کرتی تھیں ——— ہم خوشی خوشی ایک ایک پائی کے شکر کے کھلونے لایا کرتے تھے ——— عین بین عورت کی طرح بنی ہوئی مُورتیاں جو اندر سے کھوکھلی ہوتی تھیں، مگر اوپر سے بڑی خوبصورت ——— دھکے سے ٹوٹ جاتی تھیں ——— میں بھی ویسی ہی شکر کا کھلونا ہو گئی ہوں سمجھو ——— اندر کچھ بھی نہیں ہے نواب شوکت ——— اتنے دنوں اپنے آپ کو سنبھال سنبھال کر رکھا ہے اب اور نہیں رکھ سکتی ——— بہت تھک گئی ہوں ———

نواب شوکت اسی طرح ساکت و صامت، جیسے خواب میں مبتلا تھے ——— آنکھیں پھیلی ہوئی، ہونٹ نکلے ہوئے ——— چہرہ مہوّق ——— زندہ تھے مگر مُردے سے بدتر۔

"تم کہو گے بارہ سال کہاں چھپی رہی اور اب کیوں بازار سجایا ——— چودہ سال کا بن باس تمہارے بیٹے کے جوان ہونے کے انتظار میں کاٹا ——— اور بازارِ حسن اس لئے سجایا کہ جب وہ میرے بدنام محلے میں آ کر مجھ پر فدا ہوتا اور شادی رچتی تو سارے حیدرآباد کو علم تو ہوتا ——— میرے دل کی آگ اس طرح کہاں ٹھنڈی ہو سکتی تھی کہ چھپتے چھپاتے شادی کر لیتی ——— مجھے تو تمہیں خوار کرنا تھا ——— اور مجھے اپنے عورت پن پر اتنا یقین تھا کہ عمر کے آدھوں آدھ فرق کے باوجود وہ میرا دیوانہ ہو جاتا ——— اماں نے جو لمبی لمبی نصیحتیں مجھے تمہیں باندھنے کے لئے کی تھیں وہ ساری میں نے تمہارے بیٹے پر آزمائیں بڑا ترس بھی آتا تھا کہ میں یہ کیا کر رہی ہوں ——— لیکن میرا قصاص کیسے پورا ہوتا ——— کیسی زندگی اب تک میں نے گزاری ہے شوکت نواب ——— ؟ موت و حیات کے جھگڑے دوزخ و جنت کی حقیقت حشر کی فتنہ سامانیاں ان سب کا اگر کوئی وجود ہے اور ان سب

سے بڑھ کر اگر کوئی خدا ہے، جو کہ یقیناً ہے ورنہ کوئی انسان تو کسی کو اتنا مسلسل کرب اور دکھ نہیں دے سکتا ــــ ہم حقیر بندے بس یہی کہہ کر صبر کر جاتے ہیں کہ اللہ کی مصلحت ہو گی ــــ لیکن حشر میں کبھی خدا سے سامنا ہوا تو اتنا ضرور پوچھوں گی کہ مجھے اتنا دکھ دے کر آخر تجھے کیا ملا ــــ؟ وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ کمبخت دل میرا ــــ یہاں سے وہاں تک اس میں تیر ہی چبھے ہوتے ہیں کیا ــــ؟ وہ پاگلوں کی طرح روتے روتے اچانک مسکرانے اور پھر ہنسنے لگی۔ سب کچھ رائیگاں ہی گیا۔ سب کچھ!! دیکھو نا ــــ جب تک تم سے بدلہ نہیں لیا تھا یہی سوچتی تھی بدلہ لوں گی ــــ بدلہ لوں گی ــــ اب جب کہ تمہارا مان توڑ چکی ہوں، پھر نامراد دل میں وہی پچھتاوے کی آندھی ہے کہ کوئی اپنے ہی چہیتے کو دل کے باسی کو یوں بھی ستایا کرتا ہے ــــ؟ دیکھو نواب اتنا مجھ پر یقین رکھنا کہ میں تمہارے لئے ہی جی اور تمہارے لئے ہی مروں گی ــــ قیامت کے دن یہ آنکھیں خدا کا دیدار نہ پائیں اگر تمہارے بعد انہوں نے کسی کو بھی بری نظر سے دیکھا ہو ــــ ہاں اداکاری کی بات اور ہے جو تمہارے بیٹے کے ساتھ کی۔ خدا نے زندگی کے ڈرامے میں مجھے کیسا دردناک رول دیا تھا ــــ میری جان۔؟؟ اس کی آواز آنسوؤں سے بری طرح رندھ گئی ــــ نواب شوکت اپنی جگہ پگھل سے گئے ــــ وہ پیچھے ہٹی ــــ "نہیں نواب نہیں، اب مجھے ہاتھ لگانے کا گناہ نہ کرنا۔ ایک وفادار بیوی کے شوہر ہو ــــ تمہاری وفاپرست ازدواجی زندگی میں یہ داغ نہیں لگنا چاہیئے کہ شادی کے بعد کسی اور عورت سے بھی ملوث رہے ــــ کنواری جوانی کے گناہ تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دیا کرتا ہے ــــ کم از کم مذہبی کتابوں میں یہی پڑھا ہے۔ اور دل کو میں نے جھوٹی سہی، تسکین تو دے لی ہے ــــ اب اس ایک داغ کو رو رو کر اپنے حسابوں دھولیا ہے تو پھر مجھے بھی کیوں گنہ گار کرتے ہو ــــ اتنا روئی ہوں اور حیرت ہے کہ آنکھیں کیوں نہیں بہہ گئیں ــــ لیکن آج بھی وہی جوت، وہی جگمگاہٹ

ہے، شاید میرا ورثہ یہیں اپنے دُکھ اور اپنی جوت، دونوں میرے ہی لئے چھوڑ گئی تھیں۔ ... ..." بولتے بولتے وہ تھک سی گئی تھی ——— تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی تو میں نے سبز جوڑا پہنا تھا ——— آج بھی میں نے سبز کپڑے ہی پہن رکھے ہیں ——— یادوں کی پُروائی چلتی ہے تو کیسے کیسے پھُول کھِلاتی چلتی ہے ——— ایک ایک کر کے ہر بات یاد آئی ہے ——— آج ہی نہیں روز ہی یاد کیا ہے میں نے اُن حسین ساعتوں کو ———"

وہ پھر رونے لگی ———" اگر مسلمان نہ ہوتی اور دوسرے تیسرے جنم پر ایمان اور اعتبار ہوتا تو خدا سے دُعا کرتی کہ اے مالک انسان کا جنم دے نہ پرند چرند کا ——— جنم دیجیو تو اب کے مٹی کا جنم دیجیو کہ سدا تمہارے قدموں تلے بچھی رہوں ... . تمہارے پیروں سے چمٹی رہوں" دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونکی: "میں نے اس جسم کا جو صرف تمہاری ہی امانت تھا۔ اور تمہاری ہی امانت رہا، ہر ہر خیانت سے بچایا ——— ایک بار ——— صرف ایک بار تمہارے بیٹے نے شدتِ جذبات سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا ——— وہ ہاتھ میرے جسم کے لئے حرام ٹھیرا ——— تم گواہ رہنا ———"

اور اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی کمر میں اُڑسا ہُوا ایک چھوٹا سا خنجر نکالا اور کلائی کے پاس سے پنجے کو گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا ——— اور اسی پھُرتی سے خنجر سے اُس نے دِل کے پاس ایک گہرا شگاف لگا لیا ——— خون کا فوارہ سا اچھلا ——— نواب شوکت آگے بڑھے، مگر وہ تیورا کر گری اور کراہی۔ ———" خودکشی کا گناہ ... . ساتھ لے ... . جا رہی ہوں ... . مجھے چھوڑ کر میرے گناہوں میں مزید ... . بوجھ نہ بڑھاؤ ——— کمزور جانے والوں کے ساتھ ... . اتنا بھاری توشہ نہیں دیا کرتے ... . میری ایک خواہش پوری کر دیتا ——— جو تم ہی پوری ... . کر سکتے تھے بس ——— ! اور جس کا تم نے وعدہ بھی کیا تھا ——— تم شاید بھُول گئے ہو ——— مجھے یاد ہے بس ......

مجھے اپنے ہاتھوں سے ڈھانک دینا ... ..."

جانے کتنے ماہ و سال آتے گئے گزرتے گئے۔ نواب شوکت وہیں ٹھٹھکے رہے ــــ جب دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی تو انہوں نے اس کا ہرا ہرا دوپٹہ کھینچ کر نکالا اور اسے سر سے پاؤں تک ڈھانک دیا ــــ!